بیاد: حضرت الحاج حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ

دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

Issue.No.11,12	جنوری/فروری ۲۰۱۹ء جمادی الاولی، جمادی الثانیہ ۱۴۴۰ھ Jan,Feb2019	VOL.No.13

مجلس سرپرستان

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
شیخ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی
پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی   مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
مولانا سعید فیضی ندوی   مولانا بلال عبدالحئی حسنی ندوی
مولانا محمد عامر صدیقی ندوی   الحاج موسیٰ اسماعیل درسوت
مولانا محمد احمد صالح جی، مولانا حسن مرچی، مولانا محمد زکریا پٹیل
مولانا یحییٰ بام، مولانا رشید احمد ندوی، مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

❁ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہدپوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر

محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی

ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA. Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masoodazizi94@gmail.ocm
www. nuqoosheislam.com , www. mifiin.org
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ.........................۲۰/روپئے
سالانہ.........................۲۴۰/روپئے
خصوصی...... ......۵۰۰۰/روپئے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
Mob: 09813806392

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD FURQAN
PRINTEDAT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

Files\A017.TIF not found.
Files\A025.TIF not found.
Files\A017.TIF not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
گوااور بھٹکل کا ایک یادگار سفر	محمد مسعود عزیزی ندوی	
احساس ذمہ داری		۱۳
ترجیح یا فتح وغلبہ	ڈاکٹر مولانا محمد اکرم ندوی	
نقوش وتأثرات		۱۴
مولانا محمد غزالی چند یادیں، چند باتیں	ڈاکٹر سعید الرحمٰن فیضی ندوی	
رہنمائے طلباء		۱۹
طلبہ تحریک کو درپیش چیلنجز	انجینئر مصطفیٰ محمد طحان	
فکروعمل		۲۲
مندر کا پجاری	محمد اسماعیل بدایونی	
حقائق		۲۳
علمی سرقہ پر علامہ سیوطی کا دلچسپ رسالہ	مولانا نایاب حسن، بہار	
غزل		۲۹
عداوتوں سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے	حافظ عبدالستار عزیزیؒ	
یادرفتگاں		۳۰
مشرقی یوپی کی مایہ ناز شخصیت......	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
دعوت اصلاح		۳۳
آیئے محاسبہ کیجئے کہ کل کیلئے کیا جمع کیا؟	محمد مسعود عزیزی ندوی	
غوروفکر		۳۶
بدن زخموں سے چور چور ہے	مولا محمد الیاس ندوی بھٹکلی	
حب الوطنی		۴۲
قومی جھنڈا اور جشن جمہوریت	منشی عبدالغفور، نعمت پور، سہارنپور	
اصلاحیات		۴۴
احادیث طیبہ میں دنیا وآخرت کا بیان	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	

ماہنامہ ”نقوش اسلام“ کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	............۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// //	............۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// //	............۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	............۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی		............۶۰۰
۱/۴ صفحہ //		............۴۰۰

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۲۴۰/ روپے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کراکے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

گوا اور بھٹکل کا ایک یادگار سفر

محمد مسعود عزیزی ندوی

گوا کے سفر کا پروگرام دو تین سال سے بن رہا تھا، مگر اللہ کی مشیت کے بغیر اور اپنے وقت سے پہلے کیسے ممکن ہوسکتا تھا، امسال اکتوبر/نومبر سے پروگرام بنتے بنتے جنوری کا مہینہ آ گیا تھا، عام طور سے لوگ گوا سیر وسیاحت اور تفریح کے لئے جاتے ہیں، اور اس کو سیاحتی مقام سمجھا جاتا ہے، مگر ہمارا مقصد وہاں ایک علاج کے لئے جانا تھا؛ لیکن وہاں کوئی جان پہچان نہیں تھی، جہاں جا کے ٹھہر سکیں، اور اپنا علاج کرایا جاسکے، بعض دوستوں سے اس سلسلہ میں بات چیت ہوئی، جو نتیجہ خیز نہ ہوسکی، بالآخر ایک روز راقم نے اپنے کرم فرما بزرگ محترم جناب حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب فیضی ندوی کناڈا سے ذکر کیا، اور انہوں نے اس سلسلہ میں کوشش کر کے پہچان نکالی، اور مڑگاؤں میں قاری منظور صاحب سے رابطہ کر کے ان کو میزبان بنایا، اللہ تعالی حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے یہ سفر بفضل الٰہی آسان کر دیا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

گوا ہندوستان کی ایک ریاست ہے، جو رقبہ کے حساب سے سب سے چھوٹی اور آبادی کے لحاظ سے چوتھی ریاست ہے، یہ ہندوستان کے جنوبی مشرقی علاقہ میں واقع ہے، اس علاقہ کو کوکن بھی کہا جاتا ہے، اس کے شمال اور مشرق میں مہاراشٹر، جنوب میں کرناٹک اور مغرب میں بحیرہ عرب واقع ہے، گوا مستقل ملک تھا، جو ۱۹۶۱ء میں آزاد ہوا، اور ہندوستان میں شامل ہوا، یہاں پرتگالی حکومت تھی، گوا کی راجدھانی پناجی (پنجم) ہے، گوا کا کل رقبہ 3,702 کلومیٹر^2 (1,429/مربع میل) ہے، گوا کی آبادی ۲۰۱۸ء کی مردم شماری کے مطابق 3.34952/ملین افراد پر مشتمل ہے، مسلم آبادی کا تناسب 8.3%/فیصد ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

۵/جنوری ۲۰۱۹ء بروز سنیچر گھر سے ۲/بجے دوپہر میں دہلی کے لئے بذریعہ کار چلے، ساتھ میں رفیق سفر کے طور پر قاری عبد المالک صاحب روہا لکہ والے تھے، جو پہلے کئی مرتبہ گوا جا چکے تھے، اس لئے ان کا انتخاب رفیق سفر کے طور پر کیا گیا اور ماشاء اللہ انہوں نے رفاقت کا حق ادا کر دیا، اللہ تعالی انہیں خوش رکھے، دہلی کے مقامی ائیر پورٹ کے ٹرمنل نمبر ا/سے انڈی گو کی فلائٹ کا ٹکٹ تھا، جو رات میں ۹/بجکر ۴۰/منٹ پر چلی اور ۱۲/بجکر ۵/منٹ پر گوا کے ہوائی اڈے پر اتری، قاری منظور احمد صاحب اپنے بھتیجے فیضان کے ساتھ ائیر پورٹ پر استقبال کیلئے موجود تھے، قاری منظور صاحب بہار کے رہنے والے ہیں، سہارنپور میں تعلیم حاصل کی، سہارنپور میں ہی ان کی شادی ہوئی ہے، ۲۷/۲۸/سال سے گوا میں مقیم ہیں، فرنیچر کا کاروبار کرتے ہیں، علماء نواز ہیں، خدمت اور مہمان نوازی کا جذبہ رکھتے ہیں، قاری صاحب مولانا سعید فیضی سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے رفیق سفر قاری عبد المالک کے بھی بے تکلف دوستوں میں ہیں، قاری منظور احمد صاحب ہم لوگوں کو لیکر اپنے گھر مکہ منزل مڑگاؤں میں گئے، ہم نے کھانا کھایا پھر آرام کیا۔

۶؍جنوری اتوار کی صبح ناشتے کے بعد مڑگاؤں سے بیس پچیس کلومیٹر دور جانا ہوا، جہاں ایک نئی کالونی خالص مسلمانوں کی بس رہی ہے، جس کا نام تاج نگر ہے، اس میں مسجد وہاسپٹل وغیرہ سب چیزیں پلان میں ہیں، یہاں ایک فنکشن ہو رہا تھا، اس میں شرکت کی، ایک بجے نماز پڑھی، نماز بعد کھانے کا پروگرام تھا، چونکہ سیلف سروس (Self Service) کا سسٹم تھا، اس لئے ہم لوگ بنا کھائے وہاں سے چلدئے، ڈاکٹر عتیق الرحمٰن صاحب کے گھر پر کھانا کھایا، ڈاکٹر صاحب قاری منظور صاحب کے اہل تعلق میں سے ہیں، وہ بھی ساتھ تھے، اس کے بعد قاری منظور صاحب کے گھر آ گئے، اور کچھ آرام کیا، پھر مؤمن بھائی آ گئے، جو اصلاً سروٹ مظفر نگر کے ہیں، مگر پندرہ سال سے مڑگاؤں میں رہ رہے ہیں، وہ کارپینٹری کا کام کرتے ہیں، عشاء بعد وہ بیعت ہوئے اور ان کو کچھ معمولات بتلائے، قاری منظور احمد صاحب اور قاری عبدالمالک کو اجازت بیعت دی، بارک اللہ فیہما، رات میں آرام کیا۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

۷؍جنوری پیر کی صبح ناشتے کے بعد قاری صاحب مدرسہ ''جامعۃ المعارف'' امباجی فاتوڑا میں لیکر آئے اور جامعہ کے مہمان خانہ میں قیام کا نظم کیا، اس مدرسہ میں حفظ وناظرہ کے ساتھ عربی درجات کی بھی تعلیم ہے، قاری منظور صاحب اس کے نائب صدر ہیں، مولانا صلاح الدین جنزل سکریٹری ہیں، ظہر کے بعد قاری منظور صاحب کے گھر کھانے کیلئے گئے، کھانے کے بعد مدرسہ میں آ گئے، مغرب بعد مولانا سمیع احمد صاحب مظاہری تشریف لائے، جو قاری منظور صاحب کے ہم زلف ہیں، جن کی شادی سہارنپور میں ہوئی ہے، گوا کی جمعیت علماء کے صدر اور دارالقضاء کے ذمہ دار ہیں، مدرسہ کے بانیوں میں ہیں، ۳۵؍سال سے گوا میں رہ رہے ہیں، ان کو بھی اجازت بیعت دی اور ذکر وغیرہ کی تلقین کی، عشاء کی نماز بعد مؤمن بھائی کے گھر کھانے کیلئے گئے، خوب سیر ہو کر کھانا کھایا، بہت عمدہ کھانا تھا، قاری منظور صاحب اور مولانا سمیع صاحب بھی شریک دسترخوان تھے، پھر رات میں مدرسہ میں آ کر قیام کیا۔

۸؍جنوری منگل کی صبح قاری صاحب کے گھر ناشتہ کیا اور مدرسہ آ گئے، ظہر کی نماز بعد دوپہر کا کھانا حافظ عبدالرشید کے گھر تھا، چنانچہ مولانا صلاح الدین کے ساتھ ان کی گاڑی میں ہاؤسنگ بورڈ میں حافظ عبدالرشید صاحب کے گھر کھانے کے لئے گئے، قاری منظور صاحب بھی ساتھ تھے، پھر مدرسہ آ کر آرام کیا۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

۹؍جنوری بدھ کو حافظ عبدالرشید صاحب کے ساتھ ابراہیم شیخ کی گاڑی میں سیر وتفریح کے لئے نکلے، مڑگاؤں سے ۱۰؍بجے چل کر فونڈا پہنچے، اور وہاں مسجد صفا کی زیارت کی، جو یہاں کی ایک تاریخی مسجد ہے، اور آباد ہے، یہ ۱۵۶۰ء میں بیجاپور کے حکمراں ابراہیم عادل شاہ نے بنوائی تھی، فونڈا اسینٹر سے ۲؍کلومیٹر دوری پر واقع ہے، مسجد کے جنوب میں بہت نیچے ایک حوض ہے، چاروں طرف پارک بنا ہوا ہے، مسجد زمین سے کافی بلندی پر ہے، سیڑھیوں کے ذریعہ مسجد میں داخل ہوا جاتا ہے، وہاں سے فونڈا کے ایک مدرسہ میں گئے، جہاں مولانا عمران صاحب سے ملاقات ہوئی، مدرسہ میں ابتدائی تعلیم کا نظم ہے، اس کے بعد اولڈ گوا گئے، جو ایک تاریخی شہر ہے، اور نارتھ گوا ڈسٹرک میں واقع ہے، اولڈ گوا بیجاپور کے سلطان نے پندرہویں صدی میں تعمیر کرایا تھا، اور سولہویں

صدی عیسوی سے پرتگیز حکومت کا بھی دارالحکومت رہا، چونکہ وہاں عیسائیوں کا راج رہا ہے، اس لئے انہوں نے قلعوں اور مساجد وغیرہ کو گرجا گھر بنا رکھا ہے، ایک گرجا گھر کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ عادل شاہ کا قلعہ تھا، مگر اب اس کی شکل گرجا نما ہے، اب وہاں ہر چیز بدلی ہوئی ہے، شاہی قلعہ بھی اور مساجد وغیرہ بھی عیسائیوں کے چرچ کے طور پر مستعمل ہیں، ایک برج بھی دیکھا جو آدھا گرا ہوا ہے، معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی مسجد تھی، اولڈ گوا، گوا کی راجدھانی پنجم سے مشرق میں دس کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، پھر پنجم شہر جانا ہوا اور انعام کامپلکس کی مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی اور برابر میں ہی شالیمار ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھایا، کھانے کے بعد میرامار بیچ (سمندر کے کنارے) گئے، پھر ڈونا پول بیچ پر گئے، پنجم گوا کی راجدھانی ہے، جو پرتگیز حکومت میں بھی ان کی راجدھانی اور کالونی تھی، عصر کے وقت یہاں سے واپس قیام گاہ کیلئے نکلے اور راستے میں ایک ریسٹورینٹ میں چائے پیتے ہوئے مدرسہ پہنچے۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

مغرب بعد مؤمن بھائی کے ساتھ گوا کے ایک مائینر سنیل شاہ ملاقات کیلئے آگئے، سنیل شاہ دو تین مائنس (لوہے کی کانوں) کے مالک ہیں، مگر چونکہ کئی سالوں سے مائنس پر سرکار کی طرف سے بینڈ لگا ہوا ہے، اس لئے مائنس کا کام بالکل بند ہے، مڑگاؤں میں کئی مسلمان بھی بڑے مائنرس ہیں، مگر اس وقت سب پریشان ہیں، سنیل شاہ اس وقت خرچ سے بھی پریشان ہیں، آمد کے کوئی ذرائع نہیں، وہ اپنے سسر کے مکان میں رہتے ہیں، سنیل شاہ نے ایک آغاخانی کی لڑکی سے شادی کی ہوئی ہے، سنیل شاہ نے بہت آہ وزاری سے دعا کی درخواست کی اور صبح کو اپنی مائن پر لے جانے کے لئے مصر رہے، چنانچہ ۱۰؍جنوری جمعرات کی صبح ناشتے کے بعد سنیل شاہ کے ساتھ سانکھیم میں ان کی مائن (کان) پر گئے، وہ ایک جنگل میں ہے، جہاں پر روحانیت اور سکون محسوس ہوا، وہاں معلوم ہوا کہ قاری عبدالمالک اور دوسرے حضرات اللہ کا ذکر اور دعائیں کرچکے ہیں، چنانچہ وہاں دعا کی، کچھ دیر ٹھہرے، جہاں کھدائی ہوئی ہے، وہاں تقریباً بیس ۲۰؍فٹ گہرائی ہے، جس میں پانی بھرا ہے، ان کی کان میں ۶۰؍گریڈ کا لوہا ہے، سنیل شاہ کے یہاں ایک لڑکی ہے، اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایگری منٹ کیا ہوا ہے کہ اگر ان کی مائن چل جائے تو وہ ۸۵؍فیصد آمدنی مختلف خیر کے اور وقف کے کاموں میں استعمال کریں گے اور اپنے لئے صرف ۱۵؍فیصد ہی رکھیں گے، ان کا جذبہ تو بہت اچھا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہے، گراہک آتے ہیں، بات کرتے ہیں مگر وہ پھر جاے ہیں اور معاملہ آگے نہیں بڑھ پاتا، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کرے، ان کا ارادہ مسلمان ہونے کا بھی ہے، مگر ابھی اس لئے اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتے کہ کہیں لوگ ان کو یہ طعنہ نہ دیں کہ غریبی کی وجہ سے اسلام قبول کرلیا، اللہ ان کو ہدایت دے، اور ان کی کان چل جائے اور لوگوں کو فائدہ ہو، ان کو فی الحال کام چلانے کیلئے ۳۵؍کروڑ روپئے کی ضرورت ہے، مگر ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، یعنی ان کے پاس خزانہ ہے، مگر خزانے کی چابی نہیں ہے، بس اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی آزمائش سے محفوظ رکھے اور کسی کا محتاج نہ بنائے۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

وہاں سے فراغت کے بعد سانکھیم میں مؤمن بھائی کی دوکان پر پہنچے، کچھ دیر وہاں ٹھہرے اور دعا کی، پھر وہیں قریبی مسجد میں

ظہر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مڑگاؤں پہنچے، مڑگاؤں میں مستان بھائی کے گھر دوپہر کے کھانے کی دعوت تھی، وہ انتظار کرر ہے تھے، قاری منظور صاحب وہیں تھے، کھانا کھایا اور مدرسہ میں آ کے آرام کیا، پھر عشاء کے بعد دارالقضاء اور جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں مولانا سمیع صاحب نے مجلس ذکر کا پروگرام رکھا ہوا تھا، جس میں کافی لوگوں نے شرکت کی اور یہ طے پایا کہ ہر جمعہ کو عشاء بعد ذکر کی مجلس ہوا کرے گی، جس کی ذمہ داری مولانا سمیع صاحب نے لی، پہلے ذکر کی اہمیت وفضیلت پر راقم کا بیان ہوا، اور پھر نفی واثبات اور اس کے بعد اسم اعظم کا ذکر ہوا، اس کے بعد دعا کرائی، اور مجلس ختم ہوئی، پھر قاری منظور صاحب کے گھر پر کھانا کھایا اور مدرسہ میں آ کر آرام کیا۔

❁❁❁❁❁ ———— ❁❁❁❁❁

۱۱ر جنوری جمعہ کی صبح ناشتے کے بعد حافظ عبدالرشید صاحب اور ابراہیم شیخ اپنی گاڑی لیکر آئے اور دس بجے کولوا بیچ پر لے جانے کیلئے کہنے لگے، چنانچہ ان کے ساتھ کولوا بیچ پر گئے، اور کشتی میں بیٹھ کر آدھا گھنٹہ کئی کلومیٹر اندر سمندر کی سیر کی، کشتی فی گھنٹہ ۴۰ر کلومیٹر کی رفتار سے چل رہی تھی، راقم نے کشتی میں ذکر شروع کردیا اور ساتھیوں کو کہا کہ ذکر کرو، تاکہ یہ سمندر گواہ رہے کہ ہم نے وہاں اللہ کا ذکر کیا، سمندر کی سیر کرکے واپس مدرسہ آ گئے، اور غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر مولانا صلاح الدین کے ساتھ مسجد بلال گئے، مسجد میں راقم کا بیان طے تھا، اس لئے جمعہ سے قبل آدھا گھنٹہ بیان کیا اور لوگوں کو خیرخواہی اور ایثار کا جذبہ پیدا کرنے کی تلقین کی، جمعہ کے بعد ابراہیم شیخ کی طرف سے حافظ عبدالرشید کے گھر پر دعوت تھی، چنانچہ وہاں کھانا کھانے کیلئے گئے، کھانے سے فراغت کے بعد ہمارے ساتھی قاری عبدالمالک صاحب نے مسجد الصدیق دکھانے کی فرمائش کی، چنانچہ مولانا صلاح الدین مسجد الصدیق لے گئے، مسجد الصدیق بڑی شاندار اور عالیشان مسجد ہے، جس میں تبلیغی جماعت کا بھی مرکز ہے۔

❁❁❁❁❁ ———— ❁❁❁❁❁

مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک صاحب ٹانگیں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے، مولانا صلاح الدین صاحب نے بتلایا تھا کہ فلاں صاحب ہیں، انہوں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، ان کو ہماری گوا آمد کا علم تھا، انہوں نے کہا کہ اچھا آپ ہی ہیں جو قاری صاحب کے یہاں آئے ہیں، ہم نے اثبات میں جواب دیا، پھر انہوں نے کہا کہ ہاں مسجد میں بیان کی بات آئی تھی، میں نے ہی منع کیا کہ جو امام صاحب کا بیان چل رہا ہے اس کا تسلسل باقی رہے، پھر جب رخصت ہونے لگے تب بھی انہوں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، میں نے عرض کیا کہ مسلمانوں کا مصافحہ تو دو ہاتھ سے ہوتا ہے، وہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے، اپنے متکبرانہ انداز میں کہنے لگے کہ تمہارے امیر مولانا سعد صاحب ہیں، وہ بھی ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں، غرضیکہ وہ نہ مانے اور کہنے لگے کہ میں نے آپ کی اصلاح کردی، ہم خاموشی سے ان کے پاس سے نکل گئے، اللہ تعالی اس بیچارے کو ہدایت دے، وہ بظاہر تبلیغی اور جماعتی تھے، مگر وہ ہم سے واقف نہیں تھے، یا کسی نے صحیح تعارف نہیں کرایا تھا، بہرحال یہاں ایک نکتہ سمجھ میں آیا کہ داعی اور مصلح سے لوگوں کا واقف ہونا ضروری ہے، اگر لوگ داعی اور ناصح کی شخصیت سے واقف نہیں ہوں گے تو لوگ بات نہیں مانیں گے، کیونکہ جب آدمی کسی کی شخصیت سے واقف ہوتا ہے تو اس کی عزت کرتا ہے اور اس کی بات مانتا ہے اور نہ بھی

مانے، کم سے کم سنتا تو ہے، جواب نہیں دیتا، مقابلہ نہیں کرتا، اس روز یہ بات سمجھ میں آئی کہ جہاں لوگ واقف نہ ہوں وہاں اصلاح کا کام نہ کیا جائے، (واللہ اعلم) اس کے بعد مسجد سے سیدھے قیام گاہ پر آگئے، عشاء کے بعد رات کے کھانے کی دعوت نثار احمد صاحب کے گھر پر تھی، جہاں نثار بھائی نے اور بھی بہت سے علماء کو دعوت دے رکھی تھی، کھانے سے پہلے حافظ عبدالرشید اور ابراہیم شیخ نے بیعت کی اور ان کو معمولات بتلائے۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

۱۲رجنوری سنیچر کے روز ظہر کے بعد مولانا صلاح الدین کے سسرال میں احمد اسماعیل شیخ کے یہاں دعوت تھی، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھٹکل کا پروگرام تھا، کیونکہ گوا آکر یہ معلوم ہوا کہ بھٹکل یہاں سے قریب ہے اور ۲۳۰رکلومیٹر دور ہے اور ڈھائی گھنٹہ میں بھٹکل پہنچ جاتے ہیں، اس لئے آج کا پروگرام بھٹکل جانے کا تھا، حافظ عبدالرشید صاحب نے بھٹکل کے لئے دو ٹکٹ بک کرائے تھے، ابراہیم شیخ اپنی گاڑی سے اسٹیشن چھوڑنے آئے، حافظ عبدالرشید صاحب بھی آئے، چنانچہ سوا چار بجے انٹرسٹی ٹرین پر سوار ہو کر بھٹکل کے لئے روانہ ہو گئے، بھٹکل میں بھی مولانا سعید فیضی نے کئی لوگوں کو فون کر دیا تھا، اور قاری منظور صاحب نے بھی مولانا مقبول صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل اور مولانا ابرار صاحب ندوی کو فون کر دیا تھا، اور اپنے رشتہ داروں کو بھی، چنانچہ ہم پونے سات بجے بھٹکل پہنچ گئے، کچھ دیر بعد مولانا ابرار صاحب ندوی تشریف لائے اور پہلے سیدھے اپنے گھر لے گئے، چائے وغیرہ سے ضیافت کی، پھر عشاء کی نماز ملیہ مسجد میں پڑھی، اس کے بعد مولانا ابرار صاحب اپنے ایک رشتہ دار کے گھر لے گئے، جہاں شادی ہو رہی تھی، وہاں کھانا کھایا، وہاں یہ نئی بات معلوم ہوئی کہ بھٹکل میں شادی والے دن لڑکا لڑکی کے گھر سونے آتا ہے، ہمارے یہاں کی طرح نہیں کہ ہمارے یہاں لڑکی کی رخصتی ہوتی ہے، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ کے مہمان خانہ میں جا کر قیام کیا، جامعہ میں ششماہی امتحان کی چھٹی چل رہی تھی، اور ۱۳رجنوری کو جامعہ کھلنے والا تھا۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

۱۳رجنوری اتوار کی صبح مولانا ناصر صاحب اکرمی، مولانا انصار صاحب خطیب ندوی مدنی، مولانا افضل صاحب ندوی اور مولانا ناصر الاسلام صاحب ندوی ملاقات کے لئے تشریف لائے، اس کے بعد ناشتہ کیا، پھر مولانا ابرار صاحب ندوی آگئے، اور ان کے ساتھ مہتمم جامعہ مولانا مقبول صاحب ندوی سے ملاقات کے لئے ان کے دفتر جانا ہوا، ان سے بہت سی باتیں ہوئی، وہ بہت ہی خوش اخلاقی سے ملے، ان کے رویہ سے ذرا بھی انداز نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اتنے بڑے ادارے کے ذمہ دار یا مہتمم ہیں، بہت سادگی اور بے تکلفی سے پیش آئے، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، وہیں ان کے پاس مولانا نعمت اللہ ندوی، مولانا شعیب ندوی، مولانا طلحہ رکن الدین ندوی، مولانا سمعان خلیفہ ندوی اور مولانا الیاس صاحب ندوی سے بھی ملاقات ہوئی، مولانا الیاس صاحب اسی وقت افریقہ کے پانچ ملکوں کے دورے سے واپس آئے تھے، مولانا مقبول صاحب نے بتلایا کہ یہاں بھٹکل میں ہر گھر میں عالم ہے اور ایک ہزار سے زیادہ ندوی علماء ہیں، اور یہاں کی بہت سی خصوصیات بتلائیں، اس کے بعد مولانا انصار خطیب کی معیت میں جامعہ کی لائبریری دیکھی جس میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں ہیں، لائبریری بہت منظم ہے، جامعہ اسلامیہ

ندوۃ العلماء کی معروف شاخ ہے، عالیہ رابعہ (عالمیت) تک تعلیم ہوتی ہے، بھٹکل میں شوافع حضرات ہیں، اس لئے فقہ شافعی پڑھائی جاتی ہے، پھر مہمان خانہ میں تھوڑی دیر آرام کیا، ظہر کی نماز بعد طلبہ میں خطاب کا پروگرام تھا، اس لئے نماز ظہر کے بعد مولانا مقبول صاحب مہتمم جامعہ نے راقم کا تعارف کرایا اور پھر ناکارہ کو طلبہ سے خطاب کی دعوت دی، آدھے گھنٹہ تک راقم نے بیان کیا اور طلبہ کو دینداری و دین پسندی کا جذبہ پیدا کرنے کی تلقین کی، اور اپنے اندر نافعیت پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی، اس کے بعد کھانا کھایا اور پھر آرام کیا، عصر بعد مہمان خانہ میں مہتمم صاحب کے ساتھ مجلس رہی، پانچ بجے مولانا عبدالواحد ندوی گاڑی لیکر آ گئے اور وہ مولانا ناصر اکرمی کی معہد حسن البناء شہید لیکر گئے، معہد حسن البناء شہید مولانا ناصر اکرمی کا تعلیمی و تصنیفی اور تحقیقی واصلاحی ادارہ ہے، جہاں پر خواتین کے اصلاحی پروگرام بھی منعقد ہوتے ہیں، اور یہیں سے ماہنامہ ''طیبات'' کے نام سے ایک رسالہ بھی نکالتے ہیں، یہاں سے بہت سی تحقیقی اور علمی کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں، معہد میں عورتوں سے خطاب کرنے کا پروگرام تھا، اس لئے مولانا نے عنوان دیا کہ ''معاشرے میں اخلاقی بگاڑ اور اس کا تدارک'' اس موضوع پر خطاب کرنا ہے، چنانچہ اس عنوان کی روشنی میں آدھا گھنٹہ بیان ہوا، جو پسند کیا گیا، بیان کے بعد مولانا انصار خطیب ندوی مدنی کا فون آ گیا، چنانچہ علی میاں کالونی میں ان کے گھر گئے، مولانا نے استقبال کیا، نماز مغرب علی میاں مسجد میں پڑھی، اس کے بعد چائے ناشتہ کیا، مولانا نے عطر کا ہدیہ پیش کیا، مولانا انصار صاحب ہمارے مادر علمی مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور، رائے بریلی میں پڑھا چکے ہیں اور ہمارے وہاں پہنچنے سے ایک دو سال قبل مدینہ منورہ جا چکے تھے، وہ اپنائیت اور تعلق والا معاملہ کرتے ہیں، بھٹکل کے پہلے سفر میں بھی جو ۲۰۰۷ء میں ہوا تھا، مولانا نے خاص شفقت فرمائی تھی، اللہ تعالی مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

❋❋❋❋❋ ❋❋❋❋❋

اس کے بعد ماہنامہ ''پھول'' کے دفتر گئے، ایک درجے کے ندوی ساتھیوں نے یہ دفتر کھولا ہے، جس میں ان کا مقصد نونہالوں اور بچوں کی تربیت کرنا ہے، پھول کے نام سے وہ لوگ جو ماہنامہ نکالتے ہیں، اس میں بچوں کی نفسیات اور ذہنی سطح کے مطابق کہانیاں، واقعات، قصے اور مضامین ہوتے ہیں، جو بچوں کے ذہن و دماغ کو اپیل کرتے ہیں، پھول کے ایڈیٹر ہمارے ساتھی مولانا عبدالحمید اطہر ندوی ہیں، ہماری ملاقات آفس میں مولانا عبداللہ دامودی ندوی سے ہوئی، اور انہوں نے سب چیزیں ہمیں دکھلائیں اور ضیافت کی، اخیر میں راقم نے مندرجہ ذیل تأثرات ان کے رجسٹر میں لکھے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچے مستقل پھول ہیں، جس طرح پھول کی حفاظت کی جاتی ہے اور بے توجہی سے پھول مرجھا جاتا ہے، بالکل اسی طرح اگر بچوں کی صحیح تربیت نہ کی جائے تو یہ بھی مرجھا جاتے ہیں، اور جیسے مرجھائے ہوئے پھول میں خوشبو نہیں رہتی، اسی طرح بے ادب اور بے تربیت بچوں میں بھی مہک نہیں ہوتی، بڑی مسرت کی بات ہے کہ بھٹکل کے نوجوان علماء نے نسل نو کے ان پھولوں کی آبیاری اور ان کی تروتازگی کی فکر کی ہے، اور مستقل ''پھول'' کے نام سے رسالہ نکال کر نئی نسل کے پھولوں کی تربیت کا اچھا معیاری کام انجام دیا ہے۔

اللہ تعالی سے دعا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالی ان پھولوں کی حفاظت کا ذریعہ اس ''پھول'' کو بنادے اوران نوجوان علماء کی فکر اور خیال کو قوت وطاقت عطا کردے اوران کی اس فکر سے پورے عالم کے پھولوں کی تروتازگی کا کام انجام دے کران کی کاوش کو قبول فرمائے۔آمین

۷/جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ — محمد مسعود عزیزی ندوی

مطابق ۱۳/جنوری ۲۰۱۹ء — رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

اس کے بعد ''لرن قرآن'' کے آفس گئے، جہاں مولانا مقبول صاحب ندوی کے بیٹے مولانا عبداللہ شوئح ندوی سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اپنے شعبہ کا تعارف کرایا کہ لرن قرآن سے ۹۵/ملک کے دس ہزار سے زیادہ لوگ جڑے ہوئے ہیں، جو قرآن سیکھ رہے ہیں، انہوں نے بتلایا کہ زیادہ تر افریقہ کے لوگ جڑے ہوئے ہیں، انہوں نے بتلایا کہ ان کے ساتھ مستقل علماء کی ایک ٹیم ہے، جو موبائل کے ذریعہ سے دور دراز ملکوں میں لوگوں کو قرآن سکھاتے ہیں، یہ بڑااچھا کام ہے، جدید ذرائع ابلاغ کا بہت صحیح استعمال ہے، لوگوں کو فائدہ ہورہا ہے، اس کے بعد مولانا الیاس صاحب ندوی کا فون آگیا کہ وہ اکیڈمی میں انتظار کررہے ہیں، چنانچہ مولانا ابوالحسن علی اکیڈمی پہنچے، مولانا بہت خوش ہوئے، اگلے دن کی ہماری گوا واپسی تھی، ٹکٹ بنا ہوا تھا، مولانا نے اصرار کیا کہ ٹکٹ کینسل کرالیں اور پرسوں چلے جانا، کل آپ کو اپنا علی میاں پبلک اسکول ویونیورسٹی کا پروجیکٹ دکھانا ہے، چنانچہ مولانا کے اصرار پر ٹکٹ کینسل کیا اور ٹھہرنے کا پروگرام بنالیا، رات کا کھانا مولانا کے ساتھ ہی اکیڈمی میں کھایا اور بہت سے امور پر گفتگو ہوئی، پھر جامعہ آگئے، وہاں پر ہمارے رفیق درس مولانا عبدالحمید اطہر ندوی ملاقات کے لئے آگئے، ان سے بیس سال کے بعد ملاقات ہوئی، مولانا اطہر صاحب سو سے زائد کتابوں کے مصنف ومؤلف اور مترجم ہیں، ان کا کمال کہیے یا فضل الٰہی کہ جامعہ میں پڑھاتے بھی ہیں اور چار گھنٹے اپنے بزنس میں بھی لگاتے ہیں، اس کے باوجود تصنیف وتالیف کا یکسوئی جیسا عظیم کام بھی کرتے ہیں اور ساتھ میں اسفار بھی، ابھی مولانا الیاس صاحب ندوی کے ساتھ افریقہ کے پانچ ملکوں کے دورے میں بھی وہ بھی رفیق سفر تھے، اللہ تعالی انکی عمر دراز فرمائے اور خوب دینی وعلمی خدمات لے، بڑے کام کے آدمی ہیں، ان سے ملکر خوشی ہوئی، اس کے بعد آرام کیا۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

۱۴/جنوری منگل کے روز صبح کو مولانا عبدالرب صاحب ندوی ملاقات کے لئے تشریف لائے، مولانا قطر کے سفر پر تھے، لگ رہا تھا کہ ملاقات نہ ہوسکے گی اور یہ سفر ناقص رہے گا، مگر اللہ تعالی کا فضل رہا کہ مولانا تشریف لے آئے اور ملاقات ہوگئی، مولانا بہت محبت اور اکرام فرماتے ہیں، انتہائی مخلص، ہنس مکھ اور دل سے تعلق رکھنے والے قابل قدر عالم دین ہیں، بڑی فراخدلی سے ملے، اور رات میں کھانے کی دعوت دی، اس کے بعد ۱۲/بجے مولانا الیاس صاحب کے پاس اکیڈمی پہنچے، مولانا نے اکیڈمی کی سرگرمیوں سے واقف کرایا، مولانا الیاس صاحب نے ''اسلامیات'' کا جو کورس تیار کیا وہ بہت مقبول ہے، انہوں نے ہندی، انگریزی، عربی، جاپانی، کنڑی، آسامی، نیپالی، بنگالی اور تامل وغیرہ میں بھی اس کا ترجمہ کرایا ہے، جس کی وجہ سے وہ غیر مما لک

میں بھی مقبول ہے، مولانا الیاس صاحب نے اپنا کتابوں کا اسٹاک دکھلایا، اکیڈمی کے رفیق مولانا محمد مستقیم صاحب ندوی نے قرآن میوزیم کی زیارت کرائی، جس میں قرآن کریم کے مختلف نسخے جو مختلف انداز پر چھپے ہوئے اور مختلف ادوار کے ہیں، اسی طرح مولانا الیاس صاحب نے اپنی تصنیفات کا گوشہ بھی دکھایا، پھر ابنائے جامعہ کی تصنیفات کا گوشہ بھی، اس کے بعد مولانا الیاس صاحب اپنے علی پبلک اسکول لے گئے، جہاں ان کا یونیورسٹی کا پلان ہے، انہوں نے لڑکیوں کا الگ نظام پردہ کے ساتھ قائم کیا ہوا ہے، اورلڑکوں کا الگ نظام، بہترین تین منزلہ مضبوط اور خوبصورت عمارتیں تیار ہوگئی ہیں، ۲/ہزار بچے، بچیاں ان کے اسکول میں پڑھ رہے ہیں، مولانا الیاس صاحب اپنے اسکول اور اکیڈمی کے ذریعہ جو کام انجام دے رہے ہیں، وہ تعلیم کے میدان میں ایک تجدیدی کام ہے، راقم نے برجستہ یہی الفاظ استعمال کئے تو انہوں نے ہمارے بزرگوں میں سے ایک بزرگ کے اسی طرح کے قول سے تائید کی، جس سے خوشی ہوئی، اللہ تعالی مولانا الیاس صاحب کی قدم قدم پر مدد فرمائے اور ان کا جو پلان اور منصوبہ ہے وہ جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچ جائے، یہ سب دیکھنے کے بعد مولانا مقبول صاحب ایک شادی کی دعوت میں لے گئے، وہاں کھانا کھایا، مولانا الیاس صاحب نے عصر کے وقت گھر پر آنے کی دعوت دی تھی کہ چائے ساتھ میں پی لینا، چنانچہ مدرسہ چلے گئے اور عصر سے قبل مولانا عبدالواحد صاحب علی میاں کالونی لے گئے، اور مسجد علی میاں میں عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مولانا الیاس صاحب کے گھر گئے، مولانا نے ضیافت کی اور ہدیہ بھی پیش کیا۔

❋❋❋❋❋ ❋❋❋❋❋

مولانا الیاس صاحب نے جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے ترجمان ''ارمغان حجاز'' کے مولانا غزالی نمبر کے لئے پیغام لکھنے کے لئے فرمایا، چنانچہ مندرجہ ذیل پیغام لکھ کر ان کی خدمت میں پیش کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے یہ معلوم کرکے مسرت ہورہی ہے کہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل کا ترجمان ماہنامہ ''ارمغان حجاز'' حضرت مولانا محمد غزالی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وسوانح پر اپنا خصوصی نمبر شائع کررہا ہے، مولانا محمد غزالی دعوت وتبلیغ کے ایک اہم رکن اور ترجمان وداعی تھے، انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اشاعت دین اور اس کی نصرت وحمایت میں لگایا، وہ اپنی یکسوئی، کم گوئی اور اپنی دعوتی مشغولیات میں ایسے منہمک اور بے ہمہ ہوکر بھی باہمہ تھے، جس سے ان کی زندگی قابل تقلید اور کام کرنیوالوں کیلئے مشعل راہ ہے، اس خصوصی اشاعت سے انشاء اللہ کام کرنے والوں کو حوصلہ ملے گا اور ان کے اندر ایک امنگ اور جذبہ وشوق پیدا ہوگا۔

قابل مبارک باد ہیں جامعہ اسلامیہ کے ذمہ داران اور ہمارے کرم فرما متحرک وفعال اور علمی میدان میں تجدیدی کام کا بیڑا اٹھانے والے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ندوی زید مجدہم جنہوں نے حضرت والا کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے اور نئی نسل کو علمی اور دعوتی سوغات دینے کیلئے اس رسالے کی خصوصی اشاعت کا پروگرام بنایا، اللہ تعالی قبول فرمائے اور مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ (آمین)

۸/جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ
مطابق ۱۴/جنوری ۲۰۱۹ء

محمد مسعود عزیزی ندوی
رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور

اس کے بعد ''فکر وخبر'' کے دفتر پہنچے، وہاں مولانا عتیق احمد صاحب ندوی نے فکر وخبر کا تعارف کرایا کہ کیسے وہ حالات کا جائزہ لیتے ہیں اور خبریں تیار کرتے ہیں، پھر انہوں نے انٹرویو کا انتظام کیا اور مولانا عبدالباری ندوی کے بیٹے مولانا عبدالنور ندوی نے انٹرویو لیا، جس میں راقم کا تعارف کرایا اور پھر کچھ سوالات کئے، ۱۵؍منٹ کا انٹرویو ہے، جو''فکر وخبر'' پر انہوں نے اپلوڈ کر کے شائع کیا، اس کے بعد راقم نے اپنے تأثرات بھی مندرجہ ذیل لکھے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج مورخہ ۱۴؍جنوری ۲۰۱۹ء بروز سہ شنبہ بعد نماز عصر ''فکر وخبر'' کے صدر دفتر بھٹکل میں حاضری ہوئی، اور اس ادارے کی سرگرمیوں سے باخبر ہونے کا موقع ملا، یہ ادارہ جدید ذرائع ابلاغ، الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ اپنے پیغامات نشر کرتا ہے، جس میں دینی، اسلامی، اخلاقی، سماجی اور علمی چیزیں شائع کی جاتی ہیں، یہ زمانہ کے تقاضے اور دور جدید کے عین مطابق اپنی کارکردگی پیش کر رہا ہے، اس کے کارکنان مبارکبادی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس طرح کا سسٹم اور نظام بنایا جس سے اچھا خاصہ فائدہ ہو رہا ہے اور لوگ اس سے جڑ رہے ہیں، اور اس کی چیزوں کو دیکھ رہے ہیں، مولانا عتیق صاحب ندوی نے اسکرین پر اپنے نشاطات دکھائے، جس سے خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ان کی سرگرمیوں کو زیادہ سے زیادہ پھیلنے کا موقع عنایت فرمائے۔ والسلام

۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ — محمد مسعود عزیزی ندوی

مطابق ۱۴؍جنوری ۲۰۱۹ء — رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

پھر مغرب کی نماز مسجد منیری میں پڑھی، اس کے بعد مظفر کولا سے ملاقات کے لئے ان کے گھر گئے، تھوڑی دیر ملاقات کر کے، عشاء کی نماز جامع مسجد بھٹکل میں پڑھی، یہ مسجد بہت بڑی ہے، اس کے بعد مرکز کی مسجد میں گئے، وہ بہت عالیشان اور خوبصورت مسجد ہے، جو مولانا عبدالرب صاحب کی توجہ اور نگرانی میں بنی ہے، چونکہ رات کا کھانا مولانا عبدالرب صاحب ندوی کے گھر پر تھا، اس لئے مسجد شاذلی سے واپس جامع مسجد کی طرف آئے، راستے میں اپنے ساتھی مولانا عبدالحمید اطہر کی دکان پر بھی چندمنٹ کے لئے ٹھہرے، پھر مولانا عبدالرب صاحب کے گھر آئے اور کھانا کھایا، مولانا نے خوب کھانا کھلایا بلکہ بعض چیزیں زبردستی کھلائیں، ان کو کھلا کر خوشی ہو رہی تھی، اللہ تعالیٰ ان کو بھی خوش رکھے، اس کے بعد مولانا ابوالحسن اکیڈمی میں مولانا الیاس صاحب نے اپنے تازہ افریقہ کے پانچ ملکوں کے سفر کی روداد سنانے کے لئے پروگرام منعقد کر رکھا تھا، اس لئے ان کا تقاضہ ہوتا رہا، فون آتا رہا، اس لئے جلدی سے کھانے سے فارغ ہوتے ہی اکیڈمی پہنچے، اور مولانا کے پروگرام میں شریک ہوئے، ۱۲؍بجے کے قریب قیام گاہ پر پہنچے۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

۱۵؍جنوری منگل کی صبح بھٹکل سے روانگی کا پروگرام تھا، اس لئے صبح کو مولانا عبدالرب صاحب ندوی ملنے آئے اور ہدیہ بھی

لائے، ہمارے ساتھی مولانا عبدالحمید اطہر بھی آئے اور ہدیہ لائے اور اپنی دو کتابیں ''عہد نبوی کی شاعری'' اور'' القاموس المفرد'' باتصویر لغت بھی عنایت کیں، اور مولانا ناصر اکرمی بھی تشریف لائے، اس کے بعد مہتمم جامعہ مولانا مقبول صاحب سے ملاقات کی، مولانا بہت اچھے انداز میں ملے، اور ارمغان حجاز کے بعض خصوصی نمبرات بھی دئے، ماشاءاللہ بھٹکل میں یہاں کے علماء سے ملکر خوشی ہوئی، بہت ہی اچھے لوگ ہیں، یہاں کا ماحول، یہاں کی فضا، یہاں کے حالات بہت پسند آئے، لوگوں میں تعلق، محبت اور اخلاص بھی ہے، اللہ تعالی سبھوں کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے، اس کے بعد مولانا عبدالواحد صاحب جامعہ کے ڈرائیور نے ہمیں اسٹیشن پہنچایا، اور سوا گیارہ بجے ٹرین میں سوار ہو کر ۲/ بجے مڑگاؤں پہنچ گئے، اسٹیشن پر قاری منظور صاحب اور سنیل شاہ موجود تھے، ان کے ساتھ قاری منظور کے گھر گئے، سامان رکھ کے قاری منظور کی بہن کے یہاں دوپہر کا کھانا کھایا، اس کے بعد آرام کیا، عشاء بعد قاری منظور کے بھائی عبدالحکیم کے یہاں کھانے کی دعوت تھی، کھانا کھا کر آئے، حافظ عبدالرشید وابراہیم شیخ بھی ملاقات کیلئے آئے، رات میں قاری منظور صاحب کے گھر آرام کیا، ۱۶/ جنوری بدھ کے روز گوا سے واپسی تھی، سوا تین بجے کی فلائٹ تھی، صبح میں مولانا سمیع صاحب اور مومن بھائی ملاقات کیلئے آئے، مولانا سمیع صاحب ایک ادارہ ''رحمانی اسکول'' کے نام سے مڑگاؤں شہر سے ۱۲/۱۳/ کلومیٹر ایک بستی میں بنا رہے ہیں، اس کو دکھانے کیلئے وہاں لے گئے، وہاں فاؤنڈیشن کا کام ہو رہا تھا، تھوڑی دیر ٹھہرے، دعا کی اور واپس آئے، دوپہر کا کھانا ابراہیم شیخ کے گھر تھا، اس لئے ۱۲/ بجے قاری منظور صاحب اور مولانا سمیع صاحب سے ملاقات کر کے رخصت ہوئے، مولانا صلاح الدین بھی ملنے آئے، ان حضرات سے رخصت ہو کر ابراہیم شیخ کے گھر گئے، ان کے والد صاحب الحاج عبدالقادر صاحب سے ملاقات ہوئی، اور کھانا کھایا، کھانے سے فراغت کے بعد حافظ عبدالرشید صاحب اور ابراہیم شیخ ایئرپورٹ پر چھوڑنے آئے، دو بجے ایئرپورٹ پہنچ گئے، اور ائیر ایشیاء کی فلائٹ سے سوا تین بجے سوار ہو کر پونے چھ بجے دہلی پہنچ گئے۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

گوا کا یہ سفر بڑا اچھا اور آرام دہ رہا، ہمارے میزبان قاری منظور صاحب نے ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش کی، قاری صاحب فرنیچر کا کاروبار کرتے ہیں اور گوا کے معزز لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، اللہ ان کو خوش رکھے اور ان کے کاروبار میں چار چاند لگائے، گوا کو لوگ سیاحتی مقام سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر لوگ وہاں آتے ہیں، بیرون ملک سے بھی اور اندرون ملک سے بھی، مگر ہمیں وہاں کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی، یا تو ہماری کوتاہ بینی ہے یا عدم واقفیت؛ لیکن اتنے سارے لوگ وہاں آرہے ہیں وہ سب بھی اپنا وقت اور مال گنوانے تو آ نہیں رہے ہیں، بہر حال ان کی دلچسپی کا ضرور کچھ نہ کچھ سامان ہوگا، واللہ اعلم، بعض چیزیں اچھی محسوس ہوئیں، نظام وغیرہ، ترقی، بزنس اور کاروبار اچھا ہے، اور موسم بھی اچھا اور گرم ہے، دہلی ایئرپورٹ سے قاری عبدالمالک کے ایک اہل تعلق حاجی ضیاء الدین صاحب کے گھر دریا گنج میں جا کر رات میں کھانا کھایا اور قیام کیا اور صبح ناشتے کے بعد ٹیکسی سے مظفر آباد کیلئے روانہ ہوئے، الحمدللہ بعافیت ۲/ بجے کے قریب گھر پہنچ گئے، الحمدللّٰہ الذی بعزتہ و نعمتہ تتم الصالحات۔

❁❁❁❁

احساس ذمہ داری

ترجیح یا فتح وغلبہ

ڈاکٹر مولانا محمد اکرم ندوی آکسفورڈ، یوکے

مسلمانوں کیلئے ایمان کے بعد سب سے بڑی طاقت اسی ایمان کے تعلق کی بنیاد پر ''باہمی اتفاق واتحاد'' ہے، قرآن کریم اور سنت نبویؐ میں دونوں کو مختلف طریقوں سے ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے، دونوں میں ربط گہرا ہے، ایمان اہل ایمان واخوت ومحبت کے مضبوط رشتہ میں جوڑتا ہے، اور اخوت مؤمنین کا ایمان بڑھاتی اور اسے مستحکم کرتی ہے، اس دین میں اتحاد واخوت کی غیر معمولی اہمیت کے باوجود اس وقت مسلمان سب سے زیادہ انتشار کا شکار اور باہم نبرد آزما ہیں، کینہ، دشمنی، نفرت اور ایک دوسرے کے خلاف زبان درازی اور دست درازی نے ان کو اس پروردگار کی نگاہ میں گرادیا ہے، جس محبت ووفاداری کے وہ دعویدار ہیں، نتیجتاً وہ خود اپنی نظروں میں ذلیل وخوار ہوگئے ہیں اور دنیا کو ساری قوموں کے سامنے بے آبرو اور عریاں اور اس پر یہ شکایت بیجا کہ دنیا کی قومیں ان کے مقابلہ میں آگے بڑھ رہی ہیں۔

علمائے کرام کا فرض تھا کہ اتحاد قائم کرنے کی کوشش کرتے، مسلمانوں کا ایمان بڑھاتے، ان کے اندر زندگی کی روح پھونکتے، اور نفرت کو دشمن کی زہر آلود فضا کا خاتمہ کرتے، مگر ہائے افسوس کہ خود علماء نے بہت سے غیر اہم مسئلے کھڑے کردیئے ہیں، وہ قضایا از سرنو زندہ کردیئے ہیں جنہوں نے اس امت میں تفرقہ کی اساس رکھی اور امت کو مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم کردیا ہے، ہر گروہ کو دوسرے سے بغض ونفرت ہے، اور ہر حلقہ دوسروں کی توہین وتذلیل کیلئے کوشاں، ہم جو گندی زبان استعمال کرتے ہیں، جس طرح دوسروں کی عزتوں سے کھیلتے ہیں اور جس طرح کی گھناؤنی حرکتیں کرتے ہیں، اس نے عام پڑھے لکھے لوگوں کو علماء ہی سے نہیں؛ بلکہ اسلام سے بدظن کردیا ہے، ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ وہ جنگ ہے جس میں جیتنے والا ہارنیوالے سے بدتر ہے اور جیتنے اور ہارنے والے دونوں گروہ مسلمانوں کی پستی وادبار اور اسلام کی بدنامی کے ذمہ دار، اختلاف آراء کا تعلق نجی معاملات سے ہو یا عوامی امور سے، اس کے انتظام وانصرام میں ہم ایک سب سے خطرناک غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں، اس غلطی کا اثر غلاظتوں سے بھرا ہوا ہے اور اس کا انجام زہر میں ڈوبا ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم بااخلاق افراد یا مہذب قوموں کی طرح یہ نہیں کرتے کہ منطقی دلائل کو روشنی میں ایک رائے کو دوسری رائے پر ترجیح دیں، یا ترجیح کا امکان نہ ہونے کی شکل میں دونوں رایوں کو باہم مصالحت اور پرسکون طریقہ سے وجود کا حق دیں، بلکہ ہم رائے کی ترجیح کو طاقت اور فتح وغلبہ کے حصول کا مرادف تصور کرلیتے ہیں، ہمیں کہنا تو یہ چاہئے کہ یہ آپ کی رائے ہے، یہ میری رائے ہے، اور ہمارا اس پر اتفاق ہے کہ ہم اختلاف کرسکتے ہیں، یعنی اب بھی بہت سی باتوں پر ہمارا اتفاق ہے، اب بھی ہمارے بہت سے مشترکہ اغراض ومقاصد ہیں؛ لیکن اس کے بجائے ہم صرف اس پر اصرار کرتے ہیں کہ ایک رائے کہ صحیح ہے، بلکہ ہم بسا اوقات اپنا حق سمجھتے ہیں کہ اپنی رائے دوسروں پر تھوپیں، ان سے اختلاف کا حق چھین لیں اور اس کی خواہش اور کوشش کریں کہ انہیں روئے زمین سے ناپید کردیں۔

علمائے کرام سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اپنے اختلافات عوام میں نہ لائیں، درسگاہوں میں ان پر گفتگو نہ کریں، تعلیمی اداروں کی چہار دیواریوں کے اندر انہیں نہ ابھاریں، طلبہ کو ٹکڑیوں میں نہ تقسیم کریں، اپنے بزرگوں کو حکم بنا کر ان کے فیصلوں کو تسلیم کرلیں، اس طرح کرنے میں شاید وقتی طور پر ہماری ناک نیچی ہوجائے؛ لیکن اس سے بحیثیت مجموعی پوری قوم کو فائدہ ہوگا اور خود ہمارے وقار میں اضافہ ہوگا ''ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم''۔

بصد احترام التماس ہے کہ خدا کے لئے اپنی شکست کو قبول کرلیں، آپ کی ہار ہی میں اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ ہے، اس وقت شکست سے آپ کو تعمیری کام کرنے کا موقع ملے گا، آپ کی صلاحیتیں مفید چیزوں میں صرف ہوں گی، طلبہ اپنی تعلیم پر سکون کے ساتھ ترکیز کرسکیں گے، اداروں کی ترقی کی راہیں کھلیں گی، اور بحیثیت مجموعی پوری امت زیادہ اہم مسائل پر توجہ دینے کی اہل ہوگی: '' وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَى مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ، إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ''۔ ❁

نقوش وتأثرات

مولانا محمد غزالی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

چند یادیں، چند باتیں

ڈاکٹر سعید الرحمٰن فیضی ندوی صدر الندوہ ایجوکیشنل اسلامک سینٹر کناڈا

مولانا محمد غزالی ندویؒ کو پہلی بار کب دیکھا اور ان سے کب اور کیسے ملاقات ہوئی آج بھی وہ ذہن وحافظہ اور دل ودماغ میں محفوظ ہے۔

راقم سطور جب ۱۹۶۴ء/۱۹۶۵ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شعبۂ حفظ کا طالب علم تھا، اس وقت بھٹکل کے جو طلبہ درجات عالمیت میں تھے، ان میں محمد غزالی ندوی، اقبال ملا ندوی اور صادق اکرمی ندوی بھی تھے، مولانا محمد غزالی کے نام اور شکل سے تو واقف تھا لیکن ان سے ابھی تک باقاعدہ ملاقات نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ کافی سینئر تھے اور ہم کم سن درجۂ حفظ کے طالب علم۔

مولانا محمد غزالی صاحب سے پہلی باقاعدہ ملاقات جس کے بعد ایک دوسرے سے تعارف اور شناسائی ہوئی حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندویؒ سابق پروفیسر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے مکان شبستان سعادت پر ہوئی، میرا مکان بھی مولانا ہی کے محلے میں تھوڑے فاصلہ پر واقع تھا، میرا اکثر مولانا کے گھر آنا جانا رہتا تھا، حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندویؒ جب جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے ریٹائرڈ ہوکر مستقل گھر تشریف لے آئے تو ہندوستان کے بڑے بڑے چوٹی کے اہل علم مولانا سے ملاقات کے لئے لکھنؤ ان کے مکان پر آتے اور ان سے استفادہ کرتے اور علمی پیاس بجھاتے، مولانا سے خصوصی ملاقات، کسب فیض اور استفادہ کرنے والوں میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ، مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی جیسی ہستیاں بھی تھیں، مولانا عبد الباری صاحب ندویؒ کے حضرت مولانا ڈاکٹر عبد العلی صاحب سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے بھی بہت گہرے تعلقات ومراسم تھے، وہ ایک دوسرے کے بالکل معاصر تھے اور بقول مولانا علی میاں ندویؒ دونوں میں کئی باتیں مشترک تھیں اور یہی مناسبت واتحاد کا ہمیشہ قوی ذریعہ رہا، مولانا عبد الباری صاحب حیدرآباد قیام کے دوران جب بھی لکھنؤ آتے تو ڈاکٹر عبد العلی صاحب سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی ان سے خوب ملاقات رہتی، جمعہ کی نماز ان کے محلے کی مسجد میں پڑھتے تھے، جس مسجد کے ڈاکٹر صاحب اعزازی طور امام اور خطیب تھے۔

اسی طرح میرے خاندان سے بھی مولانا کی قربت اور تعلق بہت تھا مولانا عبد الباری صاحب ندویؒ میرے دادا مولانا فضل الرحمٰن صاحب ندوی سابق استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ امام وخطیب جامع مسجد سرہند کے ساتھیوں میں تھے، ندوہ میں دونوں کا زمانہ ایک تھا، میرے والد صاحب کے بھی مولانا سے گہرے مراسم وروابط تھے اور ان کے معتقدین ومسترشدین میں تھے۔

مولانا عبد الباری صاحبؒ کے مکان پر کچھ معزز مہمان تشریف فرما تھے اور مولانا سے ملاقات اور استفادے کی غرض سے آئے تھے، مولانا غزالی صاحب جو ان دنوں ندوہ کے آخری درجات میں سے کسی درجہ میں تھے وہ بھی وہاں موجود تھے اور حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندویؒ کے کسی خط یا کسی تحریر کا املا کر رہے تھے۔

الحمد للہ بعد میں مجھے بھی یہ سعادت نصیب ہوئی کہ حضرت کے متعدد خطوط کو لکھنے اور املا کرنے کا موقع ملا، مولانا کا انداز گفتگو اور شفقت ومحبت آج بھی یاد ہے اور ذہن وفکر میں مولانا کی شفقت ومحبت گویا گردش کر رہی ہے۔

یہ مولانا محمد غزالی ندویؒ سے پہلی باقاعدہ ملاقات تھی، پھر خوب

تعارف رہا اور مولانا سے با قاعدہ تعلقات اور ملنے جلنے کا سلسلہ شروع ہوا، مولانا غزالی صاحب میرے والد صاحب مولانا محبوب الرحمٰن ازہری سابق پروفیسر مدرسہ عالیہ کولکاتا سے خوب واقف تھے اوران کی صلاحیت اور عربی دانی کے قائل اور معترف تھے، جب انہیں معلوم ہوا کہ میں ازہری صاحب کا لڑکا ہوں تو پھر تو وہ مجھ پر بہت مہربان ہوگئے اور عزیزانہ و برادرانہ شفقت کرنے لگے، جب بھی ملاقات ہوتی علیک سلیک کے بعد میری اور خاص طور پر والد صاحب کی خیریت اور احوال وکوائف معلوم کرتے۔

مولانا عبدالباری صاحبؒ کے پاس غزالی صاحب دوران طالب علمی ہی سعادت مندانہ حاضری دینے لگے تھے، ان کے خزانۂ علم وتحقیق سے کسب فیض کرتے اور ذخیرۂ معرفت وسلوک سے مستفید ہوتے، یقیناً مولانا عبدالباری صاحب ندوی معاصرین میں علم وزہد اور تقوی و طہارت میں ممتاز اور نمایاں تھے، بارہاں ایسا ہوا کہ مولانا غزالی صاحب حضرت سے ملاقات کیلئے ندوہ سے ان کے مکان ''شبستان سعادت'' کے لئے نکلتے اور میں گھر واپس ہورہا ہوتا تو مولانا غزالی صاحب سے ملاقات ہوجاتی اور ساتھ ہی وہاں تک چلتے اور راہ چلتے مولانا سے استفادہ بھی کرتے مولانا ہمیشہ علم وادب اور دعوت وتبلیغ کی باتیں ہی کرتے اور یہی زیادہ تر ان کا موضوع سخن ہوتا۔

یہاں اس کا تذکرہ مناسب ہوگا کہ مولانا محمد غزالی صاحب ندوی مرحوم دوران طالب علمی ہی مولانا عبدالباری صاحب ندوی اور ان کی فکری تربیت اور ان کے اسلوب دعوت سے بے حد متاثر تھے، چونکہ بھٹکل کی معروف شخصیت اور بزرگوں کے محبوب نظر جناب ڈاکٹر علی ملپا صاحب مرحوم موصوف کے دست گرفتہ تھے اور ان کی ہدایات کے مطابق ان کی خدمت میں حاضری کا شرف ہوا تھا، اس لئے جناب مولانا غزالی صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے بیحد محبوب تھے، مزاج اور طبیعت کی سادگی نے روحانی اور علمی فیض کو صیقل کردیا تھا، مولانا غزالی صاحب کم سخن کم گو اور کم آمیز ہونے کے باوجود حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا رنگ وآہنگ ان کی شخصیت کا نمایاں وصف تھا، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ان کی فراغت بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں ہوئی، سال فراغت غالباً ۱۸۶۷ء ہے، وہ دور بھی ندوہ کا مثالی دور تھا۔

مولانا غزالی صاحب نے مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں جن مایہ ناز اور شہرۂ آفاق ہستیوں سے استفادہ کیا اور جن مخصوص اساتذہ سے استفادہ کا ان کو خصوصی موقعہ ملا ان میں سے چند مشہور و معروف ہستیاں یہ ہیں:

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ، مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی صاحب، مولانا اسحاق سندیلوی ندوی سابق نائب و معاون مہتمم ندوۃ العلماء، مولانا محمد اویس نگرامی ندوی، سابق شیخ التفسیر مولانا محمد اسباط علی صاحب ندوی، مولانا محمد ناصر علی صاحب ندوی، مولانا مفتی محمد ظہور صاحب سابق نائب مہتمم و نائب ناظم ندوۃ العلماء، مولانا محمد ابو العرفان خاں صاحب ندوی، مولانا محمد حبیب الرحمٰن سلطان پوری، پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی، مولانا محمد وجیہ الدین صاحب ندوی اور ماسٹر محمد شاہد صاحب استاد عصری علوم۔

مولانا غزالی صاحب مولانا اسحاق سندیلوی صاحب اور مولانا اویس نگرامی صاحب سے بہت متاثر تھے اور ان کا تذکرہ برابر کرتے رہتے تھے، اگر چہ مولانا سندیلوی سے بہت زیادہ استفادہ کا موقع نہ مل سکا کیونکہ وہ جلد ہی پھر پاکستان منتقل ہوگئے تھے، ہمارے فاضل دوست مولانا اقبال مسعود ندوی مقیم کناڈا جو مولانا غزالی صاحب کے کلاس فیلو ہیں، ان میں سے اکثر لوگوں سے مجھے خود پڑھنے اور استفادہ کا موقع ملا ہے۔

مولانا غزالی صاحب خود بھی درجہ میں ممتاز اور نمایاں لڑکوں میں تھے اور انکے درجے کے اکثر ساتھی اور معاصرین بھی بہت نمایاں اور فائق و ممتاز تھے، ان کے اہم، نمایاں اور ممتاز ساتھیوں میں چند کے نام یہ ہیں:

(۱) ڈاکٹر اقبال مسعود ندوی، کناڈا۔
(۲) مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ۔
(۳) ڈاکٹر نوشاد ندوی لکھنؤ۔
(۴) مولانا اقبال ملا ندوی، بھٹکل۔
(۵) مفتی محمد عمر ٹونکی مفتی آف ٹونک۔
(۶) ڈاکٹر شرافت حسین ندوی تاج المساجد، بھوپال۔
(۷) مولانا محمد حسان ندوی ابن مولانا محمد منظور نعمانی۔
(۸) ڈاکٹر عبدالعزیز ندوی، بھوپال۔
(۹) ڈاکٹر عبداللہ ندوی بھوپال یونیورسٹی۔
(۱۰) ڈاکٹر رئیس خاں ندوی۔
(۱۱) مولانا سید کمال حسین ندوی، بھوپال۔
(۱۲) سید فاروق حسین ندوی۔
(۱۳) مولانا محمد صفوان ندوی ابن مولانا عمران خاں، بھوپال۔

ان ناموں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا کے رفقا اور ساتھی کتنے نمایاں اور ممتاز تھے اور ندوہ کا وہ زمانہ اور دور کتنا اچھا رہا ہوگا۔

مولانا محمد غزالی ندوی کے شروع ہی سے علماء و مشائخ اور اہل اللہ سے گہرے رواسم و مرابط تھے گویا وہ عاجزانہ اور متواضعانہ انداز میں زبان حال وقال سے کہتے تھے۔

احب الصالحين ولست منهم
لعـــل الله يرزقـــني صـــلاحا

اور یہ شعر گنگناتے تھے۔

تشبهوا و ان لم تكونوا مثلهم
فان التشبه بالكرام فلاح

مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے علاوہ جن اشخاص و رجال کا چھاپ اور خاص اثر و رنگ ڈھنگ آپ پر سب سے زیادہ نمایاں تھا وہ حضرت مولانا علی میاں ندوی، حضرت مولانا یعقوب مجددی اور مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی کی شخصیت تھی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی سے مولانا کا خصوصی ربط وتعلق تھا اور اس تعلق نے مزید حسن و جمال اور نکھار پیدا کر دیا تھا، انہوں نے مولانا علی میاں ندوی کے دور نظامت کا اولین دور دیکھا اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں ان کے دوروں اور اسفار سے بھی واقفیت ہوئی اور اس سے حد درجہ متاثر ہوئے اور اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھا اور اپنے آپ کو بھی اسی نہج پر ڈھالا وہ رسمی طور پر اگرچہ ندوہ سے چلے گئے تھے؛ لیکن حضرت مولانا علی میاں ندوی سے ان کا رابطہ اور تعلق ہمیشہ قائم رہا، وہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ حضرت سے اور یہاں کے اکابرین سے ملنے برابر آتے رہے، مولانا علی میاں ندوی کی تصنیفات اور کتابوں کا خاص طور پر مطالعہ کرتے اور اس کو پھیلاتے رہے۔

مولانا غزالی صاحب کو بعد میں مجلس انتظامیہ کا رکن منتخب کیا گیا جس کی وجہ سے بھی وہ ہر سال ندوہ آتے تھے، اسی طرح سال میں ایک سفر طلبہ میں دعوتی تشکیل کے عنوان سے ہوتا، طلبہ سے خطاب کرتے اور ان کو راہ خدا میں نکلنے اور وقت لگانے کی ترغیب دیتے، ندوہ کے طلبہ میں شروع سے جو دعوتی مزاج ہے اور جماعت تبلیغ سے جو گہرا ربط و تعلق ہے اس میں حضرت مولانا علی میاں ندوی، مولانا معین اللہ ندوی کے ساتھ مولانا محمد غزالی صاحب کی کوششوں اور کاوشوں کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی وفات کے بعد ان کے جانشین مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ان کے روابط پہلے سے اور گہرے ہو گئے اور ہر طرح سے مولانا کے دامن فیض سے مستفید ہونے لگے، پابندی سے ملاقات کرتے اور دعوت و تبلیغ اور دیگر کاموں میں مولانا مدظلہ العالی کے مشورے کے محتاج رہتے۔

علماء اور اکابر کی بافیض تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ مولانا غزالی جہاں بھی گئے اپنی شناخت کے ساتھ نمایاں، فائق اور ممتاز رہے، آپ مرکز اصلاح و رشد خانقاہ بھوپال سے وابستہ رہے اور وہاں حضرت مولانا یعقوب صاحب مجددیؒ کی بافیض صحبت اور تربیت سے اپنے کو خوب

نکھارا اور صیقل کیا، مولانا مجددی کی اصلاح و تربیت کا بھی آپ کی شخصیت پر گہرا چھاپ تھا۔

چونکہ دوران طالب علمی ہی سے آپ دعوت وتبلیغ کی اہمیت و ضرورت کو سمجھتے تھے اور اس میں پیش پیش رہتے تھے اس لئے آپ پر دعوت وتبلیغ کا رنگ غالب رہا اس لئے: ع

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

مرکز دعوت وتبلیغ نظام الدین سے آپ جڑ گئے اور دعوتی مشن کو اپنی زندگی کا نصب العین اور اپنا وظیفہ بنالیا، خاموشی اور پوری ذمہ داری کے ساتھ جذبہ اخلاص کو لئے ہوئے اپنے مشن کی اشاعت میں لگ گئے۔

مولانا محمد غزالی ندویؒ مرکز نظام الدین میں حضرت جی کے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہے اور دعوتی وتبلیغی مشن اور کاموں میں حضرت جی کے ہر طرح معاون ومددگار اور دست راست بن گئے، عرب مہمانوں کی تقریروں کا اردو میں ترجمہ کرتے ان کے سارے امور، خدمت اور ذمہ داریاں آپ سے وابستہ اور متعلق تھی، عرب مہمانوں اور داعیوں کے جو خطوط آتے ان کے جوابات لکھنا بھی آپ کے ذمہ تھا اور بھی بہت سے اہم امور آپ مرکز میں انجام دیتے تھے آپ کا شمار وہاں کے بالکل خواص میں ہوتا تھا تمام اہم مشورے میں آپ موجود رہتے تھے۔

حضرت جی کی شخصیت اور انکے انداز تربیت کے بارے میں ان سے خوشہ چینی کرنے والوں نے لکھا ہے کہ مرکز نظام الدین میں حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ کی شخصیت ایسی مقناطیسی کشش رکھتی تھی کہ جوان کے پاس گیا ان کا ہو کر رہ گیا، وہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کی فکر کے ترجمان اور ان کی اصلاحی کوششوں کے علمبردار تھے، انہوں نے براہ راست حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے درد و کرب، قلق و اضطراب اور بے چینی و بے کلی کو دیکھا تھا، اس لئے ہر آن اسی فکر میں رہتے تھے اور اپنے پاس آنے والوں کی تربیت بھی اسی نہج پر کرتے تھے حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ کے درد و کرب ہی کا اثر ہے کہ دعوت وتبلیغ کا یہ کام جغرافیائی حدود کو پار کرتے ہوئے آج الحمدللہ دنیا کے اکثر حصوں اور تقریبا تمام ممالک میں پہنچ گیا اور طالبین حق اور متلاشیان راہ وفا کی بڑی تعداد اور ایک جم غفیر اسلام اور محاسن اسلام کے جاننے میں منہمک اور سرگرداں ہیں اور یہ سلسلہ دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ افراد کو پرکھتے تھے اور ان پر محنت کر کے دعوت وتبلیغ کی خدمت کیلئے تیار کرتے تھے، مولانا نے جو افراد سازی کا کام کیا اور جن افراد پر خوب محنت کی ان میں ایک نمایاں نام مولانا غزالی صاحب کا بھی تھا جو اپنے مربی اور سرپرست کے اشارے پر اصلاح و دعوت کے کام میں آخری سانس تک مشغول رہے۔

غرض بھٹکل کی سرزمین پر علم و عمل کی جو کہکشاں طلوع ہوئی اس کے ذریعہ ہندوستان میں خاص طور پر اور دیگر ممالک میں عام طور پر ایمان و عمل کی قندیلیں روشن ہوئیں اور ہو رہی ہیں ان میں مولانا محمد غزالی صاحب کی شخصیت اپنے وسیع اور ہمہ جہت اثرات رکھنے والے کاموں کی وجہ سے ماہ تمام سے کم نہیں، اگر چہ آپ نے تصنیف و تالیف کو اپنا مشغلہ نہیں بنایا اور دعوتی وتبلیغی مصروفیت نے اس موقع نہیں دیا، آپ عملی آدمی تھے اور اسی مشن کو آگے بڑھاتے رہے؛ لیکن آپ نے تصنیف و تالیف میں مشغول سینکڑوں افراد کی ذہنی اور فکری تربیت کی۔

مولانا غزالی صاحب ندوی فکر مبلغ اور ترجمان بھی تھے، ندوہ مزاج ومنہاج اور فکر و خیال سے پورے طور پر واقف تھے، نیز ندوہ کے شعار ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' اور ''شعارنا الوحید الی الاسلام من جدید'' کے اصول پر کاربند تھے، ان کا ذوق علمی تھا کسی نئی کتاب کا مطالعہ کرتے اور کتاب صحیح فکر کی حامل ہوتی خواہ اہل سنت والجماعت کے کسی مکتبۂ فکر کی ہوتو اس کا نہ صرف مطالعہ کرتے بلکہ اس کی اشاعت کی فکر بھی کرتے، عقیدے میں صلابت اور فروعی اور اختلافی مسائل میں تسامح کی کیفیت کے بھی حامل تھے جو ندوہ اور اہل ندوہ کا خصوصی وصف اور امتیاز ہے۔

انہوں نے اپنے صاحب زادگان کی تربیت بھی اسی نہج پر کی اور اپنے تمام صاحبزادوں کو دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تعلیم کے لئے بھیجا، جنہوں اس عظیم ادارے سے کسب فیض کیا اور ندوی نسبت موسوم

ہوئے، ان میں ایک صاحبزادے عزیز گرامی مولانا ابوبکر صدیق بھٹکلی ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں استاد ہیں اور ہر اعتبار سے ''الولد سر لابیہ'' کا نمونہ اور مثال ہیں، جن کا مجھ سے بھی مخلصانہ تعلق ہے۔

راقم کی دوران طالب علمی ندوہ میں مولانا غزالی سے ان کی فراغت کے بعد بھی جب وہ دعوتی مشن پر آتے تو ملاقات ہوتی تھی، والد صاحب سے تعلق کی بنا پر ان کی خاص طور پر خیریت معلوم کرتے اور ملاقات کی خواہش ظاہر کرتے اور کبھی ملاقات ہوتی تو عرب کے حالات مزاج و مذاق اور عادات عربی زبان اور اس کے محاورات عرب کلچر زبان و ادب پر گھنٹوں گفتگو کرتے، وہ والد صاحب کی عربیت کے قائل اور معترف تھے اور خاندانی نسبت کی وجہ سے بھی محبت کرتے تھے۔

میں ندوہ سے فراغت کے بعد جب میں نے علی گڑھ یونیورسٹی میں شعبہ طب میں داخلہ لیا تو اس دوران مہینہ دو مہینے میں جب کبھی دلی جاتا تو مرکز نظام الدین مولانا غزالی صاحب سے ملنے ضرور جاتا اور اپنے والد صاحب کی حضرت جی سے خصوصی تعلق کی بنا پر ان سے ضرور ملاقات کرتا اور تھوڑی دیر ان کی صحبت میں بیٹھ کر اپنی تشنگی دور کرتا استفادہ کرتا اور بہت کچھ قیمتی نصیحتیں اور مشورے لے کر علی گڑھ واپس آجاتا، ایک دو بار مولانا غزالی صاحب نے حضرت جی سے میرا خصوصی تعارف بھی کرایا۔

اور مولانا غزالی صاحب بھی جب طلبہ کی تشکیل کے لئے یا کسی دعوتی مشورہ کے لئے علی گڑھ آتے تو ضرور ملاقات کرنے جاتا بلکہ اپنی خورد نوازی کی وجہ سے وہ خود ہی کبھی میرے کمرے تک آتے اور میں شرمندہ ہو جاتا تھا، اس مختصر ملاقات میں بھی مولانا سے استفادہ کا موقع ملتا، بارہاں ایک دسترخوان پر کھانا بھی ہوتا ہمارے ساتھی اس دعوت پر بہت خوش ہوتے تھے اور جب علی گڑھ سے فراغت کے بعد معاش کے لئے اور دعوت و تبلیغ کے پیش نظر بھی خلیج آنا ہوا تو مکہ مکرمہ میں بھی عمرہ کیلئے جب بھی آئے ملاقات ہوتی اور ان کی خدمت اور ضیافت کر کے خوش ہوتا، مدرسہ صولتیہ مکہ میں بھی ایک دو بار ان سے ملاقات ہوئی، مولانا والد صاحب سے تعلق اور محبت کی بنا پر بہت شفقت سے پیش آتے اور خوب دعاؤں سے نوازتے، پھر قدرت نے دیار غیر کناڈا میں رہنا اور کچھ نہ کچھ دین کی خدمت انجام دینا مقدر فرمایا، تو اس دوران بھی مولانا سے ہمارا رابطہ رہا۔

مولانا غزالی صاحب سے آخری ملاقات اسی سال ان کے وطن بھٹکل میں مولانا علی میاں ندوی پر فروری میں جو عالمی سیمینار ہوا تھا، اس موقع پر ہوئی، بہت محبت سے ملے، گھر پر بھی لے گئے اور بہت اکرام فرمایا، دعوتی موضوعات کناڈا کے حالات اور دعوت و تبلیغ سے متعلق اور دیگر موضوعات پر گفتگو ہوئی اپنے مفید اور قیمتی معلومات و تجربات سے مستفید کرتے رہے، آخری دن جس دن وہاں سے ممبئ واپسی تھی صبح صبح کمرے پر ملنے کیلئے تشریف لے آئے، مجھے شرمندگی بھی ہوئی اور کہا کہ حضرت آپ نے یہ زحمت کیوں فرمائی، فرمایا مہمان کا میزبان پر یہ حق ہے اور آپ تو نہایت علمی اور دینی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے روشن چراغ ہیں، یہ تو میرا حق تھا، یہ حضرت مولانا محمد غزالی صاحب ندوی سے خاکسار کی آخری ملاقات تھی، پھر اچانک رمضان المبارک کے مبارک مہینے کے آخری عشرہ کی طاق رات میں مولانا کی وفات کی خبر ملی: ؎

ازل سے ہی مشیت نے اجل کو کام سونپا ہے
چمن سے پھول چننا اور ویرانہ میں رکھ دینا

مولانا غزالی صاحب کی موت بھی اچانک ہی ہوئی وہ پہلے سے بیمار نہیں تھے؛ لیکن ان کو جس طرح زندگی پاکیزہ اور علم و عمل والی ملی اور دعوت و تبلیغ جیسی پاکیزہ محنت والی ملی ان کی موت بھی قابل رشک اور باعث فخر رہی کہ مبارک مہینہ میں ۲۲؍رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ مطابق ۷؍جون ۲۰۱۸ء کو اللہ نے اپنے پاس بلایا۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

❁❁❁❁

رهنمائے طلبه

طلبہ تحریک کو درپیش چیلنجز

انجینئر مصطفی محمد طحان..............ترجمہ: ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکل، کرناٹک

مستقبل کے چیلنجز:

عالمی سطح پر طلبہ تحریک ہی متعدد ملکوں کی نئی تاریخ میں تحریکات آزادی کی قیادت کرنے والی اور ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والی تحریک رہی ہے اور اکثر ممالک میں فکری اور انقلابی افراد کو فراہم کرنے والا بنیادی گہوارا رہی ہے، یہ تحریک ماضی میں ہمیشہ بامقصد رہی ہے، کیونکہ یہ امت کے سب سے زیادہ سرگرم، پختہ افکار کے حامل اور زیادہ محنت کرنیوالے اوران سالوں میں نہیں تو آئندہ سالوں میں قیادت کی زیادہ صلاحیت رکھنے والے مہذب افراد کو اپنے پرچم تلے جمع کرتی ہے، ہم یہاں طلبہ کی اسی تحریک کو درپیش چیلنجز اور اس کے راستہ میں حائل رکاوٹوں پر تھوڑی بہت روشنی ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں۔

شخصی اور ذاتی چیلنجز:

یہ چیلنجز ہر طالب علم کو علیحدہ علیحدہ پیش آتے ہیں اور طلبہ کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں اور ان کی سنگینی میں فرق پایا جاتا ہے، اور مندرجہ ذیل امور میں یہ پیش آتے ہیں:

۱- درسی حالات: یہ طالب علم کا پہلا فریضہ اور پہلی فکر ہوتی ہے، اس پہلو میں کمی کے منفی اثرات بڑی مشکل میں طالب علم کے طور وطریق اور اسلوب فکر پر پڑتے ہیں، اس پہلو کو کمزور کرنے والے بہت سے اسباب ہیں، مثلاً:

☆ تعلیمی معیار میں عام طور پر گراوٹ، چاہے اس کا سبب تدریسی عملہ ہو یا ایسی لیبوریٹیس اور وسائل کی عدم موجودگی جن سے طالب علم بہترین استفادہ کرسکے۔

☆ علمی اعتبار سے نصاب تعلیم میں عدم تجدید اور نئے علوم اور ترقی یافتہ فنون کی نصاب میں عدم شمولیت، جس کے نتیجے میں طالب علم غیر مفید پرانے علوم حاصل کرنے میں سخت محنت کرتا ہے۔

☆ حقیقت حال اور نصاب تعلیم میں تفاوت: اس کے نتیجہ میں نوجوانوں میں بیکاری عام ہوتی ہے اور نوجوان غلط راستوں پر لگ جاتے ہیں۔

۲- مادی حالات: مادی تنگی کے منفی اثرات طالب علم کے اپنے دینی مسائل کے ساتھ ہم آہنگ ہونے پر بہت زیادہ پڑتے ہیں۔

۳- عمری مرحلہ، مراہقت (عنفوان شباب) کے چیلنجز: اکثر طلبہ اسی عمر میں ہوتے ہیں، اس عمر کی بہت سی خصوصیات ہیں، جن کی رعایت کرنا ضروری ہے، تاکہ یہ عمر حصول تعلیم میں رکاوٹ نہ بنے، ان خصوصیات میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

☆ جلدی متأثر ہونا: نوجوانوں میں واقعات سے جلدی متاثر ہونے اور اس پر ردعمل کی صفت پائی جاتی اور کاموں کو انجام دینے میں عقلی پختگی بہت کم ہوتی ہے۔

☆ جوش مارتا ہوا شہوانی جذبہ اور جنس مخالف کی طرف میلان: یہ ان صفات میں سے ہے جن پر توجہ دینا ضروری ہے تاکہ نوجوان بے راہ رو نہ ہو، یا اس میں اخلاقی گراوٹ نہ آئے۔

☆ کسی ایک فکر پر بہت زیادہ یقین اور آخری حد تک اس کی پابندی۔

☆ بلند خیالات اور تیزی کے ساتھ بڑی بڑی امیدوں کو حاصل کرنے کی خواہش۔

(۲) اندرونی چیلنجز:

یہ عام چیلنجز ہیں جو طلبہ تحریک کے اندرون سے وجود میں آتے ہیں:

لوگوں سے کیا جانے والا خطاب، یہ بڑا مشکل کام ہوتا ہے، کیونکہ لوگوں سے ہمارا خطاب نجی اور ذاتی گفتگو کے مشابہ ہوجاتا ہے، کیونکہ کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب ایک ہی گروہ سے ہے، دوسرے سے نہیں، اس کے نتیجہ میں طلبہ کے تمام گروپ جمع نہیں ہو پاتے۔

☆اس میں حقیقت نہیں ہوتی: مخاطب معاشرے کے حالات کے مطابق خطاب کا ہونا ضروری ہے، اس میں لوگوں کی ضروریات اور مشکلات کے بارے میں گفتگو اور مکمل طور پر اس کے ساتھ ہم آہنگی ضروری ہے، خطاب میں مفاد عامہ کا خیال رکھنا چاہئے، اور اس میں لوگوں کی اصلاح کی صلاحیت رہنی چاہئے، اس خطاب میں لوگوں کو کثیر تعداد میں جمع کرنے، متاثر کرنے اور انکے دلوں میں حقیقت پیوست کرنے کی صلاحیت نہیں ہونی چاہئے۔

☆اس میں تنوع نہیں ہوتا: یہ ضروری ہے کہ عام خطاب مسجد میں ہونیوالے وعظ ونصیحت کے مثل ایک ہی طرح کا نہ ہوں، اس لئے کہ اسلام اس سے زیادہ وسیع اور عام ہے، ہر جگہ اس کے مناسب اور ہر گروہ کیلئے اسکے مطابق گفتگو ہونی چاہئے، عمومی خطاب کرنیوالوں کا انتخاب اور ان کی رہنمائی مقاصد کی تکمیل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہونی چاہے۔

تمام لوگوں کے سمجھ میں آنے والے اور ان کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والے عام شعار پر مکمل توجہ۔

۲- اپنی ذات پر انحصار: دینی یا قومی رجحانات میں دوسروں کے ساتھ بے تکلفی سے پیش نہ آنا اور متفقہ نکات میں ان کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہونا، کیونکہ اس سے آپ میدان عمل میں تن تنہا ہوجائیں گے اور اس کے نتیجے میں اسلامی رجحان زیر نگرانی آجائے گا اور دشمن آسانی سے اس کا حصار کرسکیں گے۔

کبھی کبھار انجمنوں اور پارٹیوں کے انتخاب میں رجحان کی بالادستی سے اپنی ذاتی انحصار واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے، اس میں دوسروں کو برداشت نہیں کیا جاتا، حالانکہ اس میں بعض مرتبہ خیر رہتا ہے جس سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔

۳- یونیورسٹیوں پر کم توجہ: یونیورسٹیوں پر افراد فراہم کرنے اور ترقی ونمو کے اسٹیشن کے طور پر بھروسہ نہ کرنا اور ان کو بڑی تعداد میں طلبہ فراہم نہ کرنا حالانکہ طلبہ کی تحریک ہی دوسری تمام تحریکات کی بنیاد، ان کا حجر اساسی اور ان کے خیالات کی تعبیر کرنے والی ہوتی ہیں۔

(۳) معاشرتی چیلنجز:

معاشرہ طلبہ تحریک کا ماحول ہے، تحریک اس سے متاثر ہوتی ہے اور اس پر اثر انداز ہوتی ہے، معاشرے میں کسی بھی طرح کے منفی اور مثبت تبدیلیوں کا اثر تحریک پر پڑتا ہے، ان میں سے بعض چیلنجز مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ہر تعلیمی مرحلے کے آخری سالوں میں طالب علم کے شخصی معیار میں عمومی گراوٹ، یہ مختلف میڈیائی، تعلیمی اور تربیتی پالیسیوں کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہی چیز اخلاقی گراوٹ بھی لاتی ہے۔

معاشرتی اخلاق اور قدروں میں عام طور پر تبدیلی، سیاسی اور اخلاقی بگاڑ، کسی قابل تقلید قائد کا فقدان، ذرائع ابلاغ کے نظام میں بگاڑ اور فحش وبے حیائی کو پیش کرنے پر تمام تر توجہ، بہت سے موقعوں پر مسجد، مدرسہ، اسکول اور خاندان کا تربیتی گہواروں کی حیثیت سے اپنا رول ادا نہ کرنا نوجوانوں پر برے اثرات مرتب کرتے ہیں، اور اخلاقی عدم توازن ان کو عام اصول پر کاربند ہونے نہیں دیتے۔

۲- نوجوانوں کی ابھرتی ہوئی صلاحیتوں کو فروغ دینے اور ایجاد واختراع کیلئے ان صلاحیتوں کو استعمال میں لانے کے لئے معاشرے کو اس کے مناسب وسائل اور میدانوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے، نوجوان ذہنی وجسمانی سرگرمیوں کا مجموعہ ہوتا ہے، اگر ان سے استفادہ کرکے صحیح رخ پر نہ لگایا جائے تو یہ صلاحیتیں غلط رخ پر لگ جاتی ہیں۔

۳- مراہق کے ساتھ پیش آنے کا صحیح اسلوب، واضح کورسس اور تحقیقات وآداب کا نہ پایا جانا، خاندان یا تعلیمی اداروں میں تربیت کے ذمہ دار یا تو غیر اہل ہوتے ہیں اور مراہق اور طالب علم کی نفسیات کے بارے میں بہت کم تجربہ رکھتے ہیں، پھر وہ نوجوانوں کے اس مرحلہ کو

بغیر دشواریوں اور خامیوں کے بغیر پار کرانے کیلئے ان کے ساتھ محتاط انداز میں کیسے پیش آ سکتے ہیں؟ اس میدان میں اب تک کامیابیاں انفرادی ہیں کیونکہ ہر ذمہ دار تربیتی میدان میں اپنے ذاتی خیالات اور تصورات وتجربات کی روشنی میں انفرادی طور پر کام کرتا ہے۔

۴-منفی امور، لاپرواہی اور نسبت کی کمی خصوصاً طلبہ سے منسلک معاشرے مثلاً خاندان یا یونیورسٹی کے عام ماحول میں پرورش سے طالب علم اس طرح متأثر ہوتا ہے کہ قوم کے مسائل اس کو ابھار نہیں پاتے، اگر ابھار بھی لیں تو وہ اپنے راستے میں بہت سی رکاوٹیں پاتا ہے۔

۵- معاشرے میں بہت سی غلط قدروں اور عادتوں کا پایا جانا اور ان کے احترام اور ان کے ساتھ ہم آہنگ ہونے پر نوجوانوں کو مجبور کرنا، مثلاً خاندانی یا مذہبی تعصب یا علاقائی نسبت۔

۶-معاشرے میں نوجوانوں کو صحیح نظر سے نہ دیکھنا، اب تک معاشرہ نوجوانوں کو اس حیثیت سے دیکھتا اور اس کے ساتھ پیش آتا آ رہا ہے کہ نوجوان معاشرے میں مؤثر کردار ادا کرنے کا اہل ہوتا، ان کی نظر میں نوجوان صرف طالب علم ہوتا ہے، جس کا کام صرف علوم وفنون حاصل کرنا ہے۔

۷- یونیورسٹی کا معاشرے کے منفی امور سے متأثر ہونا یا ان سے متصف ہونا، یونیورسٹی نوجوان کی پہلی اور حقیقی تجربہ گاہ ہوتی ہے، جس میں وہ اپنے معاشرے کے مسائل کے بارے میں سوچتا ہے، اور سیاسی زندگی کی ابتداء کرتا ہے، اس میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے، ان کی مدافعت کرتا ہے، ان کی تائید کرتا ہے اور ان کو بانگ دہل کہتا ہے، اس کو دوسرے رجحانات وخیالات سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔

۸- بدامنی، سیاسی جبر واستبدا، آزادی کا خاتمہ اور طالب علم کے علمی مستقبل کے لئے خطرہ جیسے امور سے یونیورسٹی کو واسطہ پڑتا ہے تو اس کے خطرناک اثرات طالب علم کی نفسیات اور طلبہ تحریک پر پڑتے ہیں تو مستقبل میں طالب علم کے اثرات پورے معاشرے پر پڑتے ہیں، کیونکہ معاشرے کے یہی افراد اور یہی مہذب لوگ مستقبل میں کسی بھی صورت میں آزادی کے لئے کوشش نہیں کر سکیں گے۔

(٤) سیاسی چیلنجز:

سیاسی جبر واستبداد کی صورت میں عام طور پر آزادیوں کو سلب کرنے اور خاص طور پر آزادی رائے پر پابندی، صرف ایک ہی پارٹی کی موجودگی، مخلص اور باشعور قومی رجحانات کی عدم موجودگی، تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کے اندر یا سڑکوں پر اور معاشرے میں سیاسی جمہوری تحریکات کو چلنے کے لئے پابندیاں، جیل اور ایمرجنسی قوانین کے نفاذ کی وجہ سے ان چیلنجز سے واسطہ پڑتا ہے، ان حالات سے منفی اثرات اور واقعات رونما ہوتے ہیں، جن میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

الف: نوجوانوں میں برے اخلاق کے بیج بوئے جاتے ہیں، ان ہی کے مطابق ان کو پروان چڑھایا جاتا ہے اور دلوں میں ان کو راسخ کیا جاتا ہے، تاکہ نوجوان اپنے علمی اور اقتصادی مستقبل پر مطمئن رہیں اور مشکلات ومسائل سے دور بھاگیں اور ان کے خاتمہ کی تدبیر نہ کر پائیں۔

ب: معاشرے کے خلاف ناراضگی اور اس سے نفرت، معاشرے کو جہالت کا الزام دیا جاتا ہے اور اس کے بائیکاٹ کرنیوالے شدت پسند رجحانات پیدا ہوتے ہیں، اس گروہ کے اکثر افراد فطرت سلیمہ سے دوری کی وجہ سے یہ کام کرتے ہیں، حالانکہ وہ اس فکر وخیال پر مطمئن نہیں رہتے، لیکن اسی کو کم از کم صحیح حل سمجھتے ہیں۔

ج: نوجوانوں کا ظاہری کاموں کو چھوڑ کر خفیہ کاموں کی طرف رجحان پیدا ہو جاتا ہے، اس کے خطرات ہم بیان کر چکے ہیں کہ شدت پسند افکار وخیالات پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح معاشرے کو قابو میں رکھنے والی کوئی شخصیت نہیں پائی جاتی ہے اور نہ رہنمائی واصلاح کے کام ہوتے ہیں۔

(٥) عالمی چیلنجز:

ان چیلنجز کا وجود ان عالمی طاقتوں کی موجودگی میں ہوتا ہے جو عالم اسلام کو اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے پسماندہ اور محتاج رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ آسانی کے ساتھ اس پر قبضہ کیا جا سکے اور اس کی پیداوار کو پوری طرح چوس لیا جائے، حق کی آوازیں اور مخلص رجحانات ان کے مفاد میں نہیں ہوتے۔ ❁❁❁

فکر وعمل

مندر کا پجاری (پنڈت)

محمد اسماعیل بدایونی، یو پی

میرے قدم تیزی سے مندر کی جانب بڑھ رہے تھے، اسلام کے لیے کی گئی محنت جو نسلاً بعد نسلاً دار و رسن کے پھندوں کو چومتے ہوئے ہمارے اسلاف نے کی تھی، میں اس محنت میں کچھ اپنا حصہ بھی ڈالنا چاہتا تھا، میرے قدم تیزی سے مندر کی سیڑھیوں کو پیچھے چھوڑ رہے تھے، سامنے ہی پنڈت موجود تھا، میں نے اسے اسلام کی دعوت دی، میں نے اس سے کہا، کب تک ان اندھیروں میں بھٹکتے رہو گے؟ کب تک اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ ان مورتیوں کو پوجتے رہو گے؟ کب تک ناپاکی و غلاظت میں تقدس تلاش کرتے رہو گے؟ کب تک مظاہر فطرت کی غیر فطری قید میں محبوس رہو گے؟۔

آؤ! اسلام قبول کرلو! آؤ اسلام کے نور سے خود کو منور کرلو! اپنے من کو بھی اور اپنے ظاہر کو بھی روشن کرلو، تمہارے جو سوالات ہیں میں ان کے جوابات دینے کو تیار ہوں، پنڈت نے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی، میں سوچ رہا تھا اب یہ خدا کی وحدانیت پر مجھ پر سوالات کی بوچھار کردے گا، عقیدۂ توحید پر اعتراضات کے بعد یہ اپنے باطل خدا کے حق میں دلائل لائے گا، مگر میں حیران رہ گیا جب اس نے کہا: ''نوجوان! اس میں کیا شک کہ تو جس دین پر ہے، وہ سچا دین ہے، پر معلوم ہے تیرے لہجے میں وہ نور نہیں، میں نے کہا، کیسا نور؟ تو میں اُس کے جواب پر حیران رہ گیا، وہی نور جو تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے اسلاف تک پہنچا، میں پنڈت جی کی بات پر شش و پنج میں مبتلا تھا کہ پنڈت نے کہنا شروع کیا، نوجوان! میں تمہیں بہت دیر حیران و پریشان نہیں کروں گا''۔

تمہیں معلوم ہے جب تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر تشریف لے گئے تھے تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آ رہا ہے جو تم پر حملہ کردے گا تو کیا تم میری بات کا یقین کرو گے؟ سب نے جواب دیا ہاں کیوں نہیں ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا، ۵۴ سالہ زندگی کا لمحہ بہ لمحہ ان کے سامنے تھا، تمہاری زندگی کا لمحہ بہ لمحہ ہمارے سامنے ہے، تم پر کیسے یقین کریں؟۔

جا! نوجوان جا! اور صداقت کے نور سے خود کو منور کر، تمہارے کردار سے نکلتی کرنیں خود اندھیروں کی چیرہ دستیوں کو دور کردیں گی، کفر کے اندھیروں کا خاتمہ ہو جائے گا، تمہارے اسلاف نے ہندوستان کے بت کدہ میں اسی صداقت کی کرنوں سے، اسی کردار کی امانت و دیانت سے برسوں پرانے بتوں کو پاش پاش کردیا تھا، ان کی شفاف تجارت نے راجاؤں کے دل موہ لئے اور بستیوں کی بستیاں مسلمان ہوگئیں تھیں، تمہارا حال کتنا عجیب ہے تم اپنے ہی ہم مذہب کو دھوکا دینے سے باز نہیں آتے، تمہارے جعلی چیک، تم لوگوں کو جس تاریخ کا چیک دیتے ہو اس تاریخ میں اکانٹ میں رقم نہیں ہوتی اور دیدہ دلیری سے کہتے ہو چیک تو ہے نا تمہارے پاس، تمہارے خاندانی جھگڑے عدالتوں میں، تمہارے امیر و غریب عوام و خواص سب کو دیکھو تو نور اسلام سے خالی دکھائی دیتے ہیں۔

دیگر مذاہب کے لوگوں کو تو چھوڑ و تم میں سے کتنے لوگ ہیں جن کے معاشی معاملات دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مکمل صاف ستھرے ہیں، تمہارے اسلاف کے معاملات آپس میں تو نور اسلام سے چمکتے ہی تھے غیروں کو بھی اس کی کرنیں روشن کردیتی تھیں، میں حیرت سے اس مندر اور اس کے پنڈت کو دیکھ رہا تھا جس نے مجھ سے کوئی سوال کئے بنا مجھے لاجواب کردیا تھا، اس لئے ضروری ہے کہ دین کی اشاعت زبان و قلم سے ہی نہیں ہمیں کردار سے بھی کرنا ہوگی۔ ❁❁

حقائق

دوسری اور آخری قسط

علمی سرقے پر علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا دلچسپ رسالہ

مولانا نایاب حسن قاسمی مدیر ماہنامہ ''قندیل''، بہار

کوئی بھی مصنف چاہے وہ جس دور کا بھی ہو، اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھتا، یا تو وہ قرآن و حدیث سے استفادہ کر کے کوئی اصول وضع کرتا ہے، پھر اس پر اپنے دعوے کی بنیاد رکھتا ہے یا وہ کسی پہلے سے موجود مسئلے پر ایسی آیت یا حدیث سے استدلال کرتا ہے، جس کی طرف پہلے کسی کا دھیان نہ گیا ہو، خصائصِ نبویؐ اسی دوسری قسم کے مسائل سے تعلق رکھتے ہیں، پہلے ایک طبقے نے احادیث و آیات کی روشنی میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو جمع کیا اور ان پر کتابیں لکھی، پھر بعد میں بھی مختلف لوگوں نے قرآن و حدیث کے ذخیرے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے خصائص دریافت کئے جہاں تک پہلے لوگوں کی رسائی نہیں ہو سکی تھی؛ لیکن کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ یہ سمجھ کر کہ یہ خصوصیات تو آیات و احادیث میں موجود ہی تھیں، ان کا استخراج کرنیوالے ائمہ سابقین کا نام گول کر جائے؛ بلکہ علمی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں سے ہر خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے اسے مستنبط کرنیوالے کا حوالہ دینا چاہیے، ائمہ سلف کا یہی طریقہ رہا ہے اور اسی طرح انسان کا علمی وقار و اعتبار قائم ہوتا ہے۔ (صفحہ: ۳۸)

علامہ سیوطی اس کے بعد اپنے بارے میں بتاتے ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب میں احادیث اور آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں بہت سی ایسی خصوصیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے، جو اس سے پہلے اس موضوع کی کتابوں میں مذکور نہیں تھیں اور ان کے نقل میں میں نے ائمہ سابقین و مجتہدین کے طرزِ عمل کو اختیار کیا ہے، جہاں سے جس حدیث کی تخریج کی ہے، اس کا حوالہ دیا ہے اور اگر کسی روایت کی اصل تک نہیں پہنچ پایا، تو جہاں وہ روایت ملی ہے، اس کا حوالہ دیا ہے، لکھتے ہیں کہ عبدالرحیم بن علی بن حسن اِسنوی نے اپنی کتاب ''المہمات'' میں اپنے شاگرد زین الدین عراقی سے نقل کیا ہے اور حوالے کے ساتھ نقل کیا ہے، اس سے استاذ اور شاگرد دونوں کے بلند مرتبہ ہونے کا پتہ چلتا ہے، اس سلسلے میں وہ اپنے استاذ حافظ ابن حجر عسقلانی کے طرزِ عمل کا اہتمام سے حوالہ دیتے ہیں، لکھتے ہیں کہ جب حافظ صاحب اپنے طلباء کو پڑھاتے اور دورانِ درس کسی کی روایت کردہ حدیث نقل کرتے یا اس کی تخریج کا حوالہ دیتے اور اس کی اصل کا انھیں علم نہ ہوتا، تو وہ اپنے شاگردوں سے کہتے کہ آئندہ جب تم اپنے شاگردوں کو پڑھانا یا اس روایت کو تحریری طور پر نقل کرنا تو یوں کہنا ''رواہ فلان أو خرج فلان بإفادۃ شیخنا ابن حجر'' کہ میرے شیخ استاذ ابن حجر کے واسطے سے فلاں کی روایت یا تخریج مجھ تک پہنچی ہے، علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ حافظ صاحب ایسا غایت درجہ علمی احتیاط و دیانت داری کے زیر اثر اور خیانت و بد دیانتی سے بچنے کے لیے کرتے تھے، حدیث و قرآن کی تعلیمات بھی یہی ہیں اور ظاہر ہے کہ جس نے کوئی تحقیق پہلے کی ہے اور آپ اس سے استفادہ کر رہے ہیں، تو اول الذکر کا حق ہے کہ آپ اس کے تئیں احسان شناسی کا ثبوت دیں، اپنی تقریر و تحریر میں اس کا حوالہ دیں، اس کی افضلیت و اولیت کو تسلیم کریں، اس سے آپ کے علم میں برکت بھی ہوگی اور اس کی نافعیت کے امکانات بھی بڑھ جائیں گے۔

ایسا کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ کی چوری کبھی بھی پکڑی جا سکتی ہے اور پھر آپ کو بسا اوقات ذلت و شرمندگی کا بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے یا جس کا مال آپ نے چوری کیا ہے، اس کی بددعاؤں کی زد میں آپ آ سکتے ہیں، اس سلسلے میں علامہ سیوطی نے تین واقعات نقل

کیے ہیں، ایک امام ابوحامد اسفرائینی کا، جسے علامہ تاج الدین سبکی نے نقل کیا ہے کہ ایک مجلس میں کسی کے بارے میں یہ ذکر آیا کہ اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، تو امام اسفرائینی نے کہا: لاؤ! ذرا میں بھی اس کی کتابیں دیکھوں، جب انھوں نے دیکھا، تو پتا چلا کہ وہ ساری کتابیں خود امام اسفرائینی کی تصانیف سے سرقہ شدہ تھیں، یہ دیکھ کر امام اسفرائینی کا ماتھا ٹھنکا اور انھوں وہیں اس پر بددعا کی: "بتر كتبي، بتر الله عمره" کہ اس شخص نے میری کتابوں سے کاٹ چھانٹ اور چوری کر کے اپنی کتابیں تیار کیں، اللہ اس کی زندگی کو کاٹ چھانٹ کر مختصر کر دے، لوگوں نے دیکھا کہ وہ شخص چند سال بعد ہی وفات پا گیا اور اس علمی مقام و مرتبے سے محروم رہا، جو اس کے بہت سے معاصرین کو حاصل ہوا، دوسرا واقعہ امام ابوشامہ عبدالرحمٰن بن اسماعیل نے لکھا ہے کہ ان کی کتاب ''البسملۃ'' سے کئی سارے خطیبوں نے بلاحوالہ لفظ بہ لفظ نقل کر کے کتابیں مرتب کیں؛ چنانچہ ان سارقین کی کتابوں سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوا اور وہ بے نام و نشان ہی رہیں۔

ایک تیسرا واقعہ حافظ ابن حجر کا بیان کیا ہے کہ ان کے ایک بڑے شاگرد نے ان سے تاج الدین سبکی کی ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' پڑھنے کے لئے مانگی، ان کے پاس اس کا جو نسخہ تھا، اس پر انھوں نے جابجا حاشیہ چڑھایا تھا، اصل کتاب پر اپنے مطالعہ و معلومات کی روشنی میں اتنا اضافہ کیا تھا کہ وہ ایک مستقل تصنیف کی شکل اختیار کر سکتا تھا، ابن حجر نے اپنے اس ''بڑے شاگرد'' کو وہ کتاب پڑھنے کے لیے دے دی، وہ کتاب لیکر گئے، اصل کتاب سے جو کچھ تلخیص و ترمیم کرنی تھی، مگر اس کے ساتھ ہی اس پر ان کے استاذ نے جو حواشی چڑھائے تھے، انھیں بھی جو کا توں اٹھالیا اور بغیر حوالہ دئے اپنی کتاب "اللمع الألمعية لأعيان الشافعية" میں نقل کر دیا، جب حافظ صاحب کو یہ معلوم ہوا، تو انھوں نے خط لکھ کر ان کی کلاس لگائی اور لکھا کہ "فقد حرمت بذلك خيرا كثيرا، وفضلا كبيرا" (تم اپنے اس عمل کی وجہ سے خیرِ کثیر اور انعامات و افضالِ الٰہی سے محروم رکھے جاؤ گے) سیوطی لکھتے ہیں:

"فوالله ما طلعت لتلك الطبقات طالعة، ولا رآها أكثر الناس، ولا طرق خبرها مسامعهم، وهكذا سنة الله فيمن أغار على كتب المصنفين، ولم يؤد الأمانة من المؤلفين، أن يخمل ذكره، وذكر كتابه، ويعدم النفع به في الدنيا إلى يوم مآبه"۔ (صفحہ:۴۲)

بخدا اس طبقات (یعنی جسے حافظ ابن حجر کے اس شاگرد نے مرتب کیا تھا) کو کوئی قبولیت نہ حاصل ہوئی، نہ اکثر لوگوں نے اسے دیکھا، نہ اس کے بارے میں سنا اور جو شخص دوسرے مصنفوں کی کتابوں پر ڈاکہ ڈالتا اور علمی بددیانتی کا مظاہرہ کرتا ہے، اس کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ اسے اور اس کی کتاب کو گم نام و بے نشان کر دے اور قیامت تک کے لیے اس کی نافعیت کو ختم کر دے، مرتب نے حافظ ابن حجر کے اس شاگرد کی تعیین قطب الدین محمد بن محمد الخیضر ی سے کی ہے اور علامہ سخاوی کی ''الضوء اللامع'' کے حوالے سے مذکورہ بالا واقعے کی نشان دہی کی ہے۔

پھر وہ اپنے اصل موضوع پر آتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ سرقہ کرنے والے نے صرف میری مذکورہ بالا دونوں کتابوں سے ہی سرقہ نہیں کیا ہے؛ بلکہ اس نے میری ایک تیسری کتاب ''طي اللسان عن ذم الطیلسان'' سے بھی سرقہ کیا ہے اور اسے بھی اس طرح پیش کیا ہے، گویا وہ اس کی اپنی تحقیق اور مطالعوں کا نتیجہ ہو، سیوطی کا الزام آگے یہ ہے کہ اس شخص نے انہی تین کتابوں پر بس نہیں کیا؛ بلکہ ان کی ایک چوتھی کتاب "مسالك الحنفافي والدي المصطفى" سے بھی سرقہ کیا ہے، البتہ اس مؤخر الذکر کتاب سے پہلی تینوں کتابوں کے بالمقابل کم چوری کی ہے، پھر اس نے صرف میری کتابوں کے سرقہ پر ہی انحصار نہیں کیا؛ بلکہ قاضی قطب الدین خضیری اور شمس الدین سخاوی کی کتابوں سے بھی سرقے کیے ہیں۔

لکھتے ہیں کہ جب اس بندے کو لکھنے کی صلاحیت نہیں تھی، تو کیا ضرورت تھی کہ تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کرتا، میری اور دیگر مصنفین کی کتابوں سے سرقہ کر کے اس نے یہ سوچا کہ فائدے میں

رہے گا، مگر حقیقت میں وہ خسارے میں رہے گا، اس نے سوچا ہو گا کہ اس طرح وہ علمی و تصنیفی دنیا میں بڑا نام کمائے گا، مگر یہ تو سراسر بدنامی کا سودا ہے، اس کے بعد انھوں نے اس شخص کے بارے میں بتایا ہے کہ میں اسے نہیں جانتا، البتہ کسی نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ماوراء النہر کے خطے سے تعلق رکھتا ہے اور اس نے میری ''الخصائص'' اور ''المعجزات'' کی کئی کاپیاں میرے شاگرد عبدالجبار سے حاصل کیں، بہت دن تک انھیں اپنے پاس رکھے رہا اور ان میں سے چوریاں کرتا رہا اور عبدالجبار کو اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں لگ سکا، پھر مصر واپسی کے بعد اس نے میرے اس شاگرد سے ان کتابوں کی بقیہ کاپیاں بھی مانگیں، جن کو دینے سے اس نے انکار کیا، پھر جب اس نے بار بار اصرار کیا اور کئی بڑے لوگوں سے سفارشیں کروائیں، تب اس نے باقی کاپیاں بھی اسے دے دیں اور اس نے میری پوری کتاب سے سرقہ کر لیا، دوسری دو کتابیں ''أنموذج الحبیب'' (پورا نام أنموذج اللبيب في خصائص الحبيب ہے، یہ الخصائص الکبریٰ کی تلخیص ہے) اور ''طي اللسان عن ذم الطیلسان'' اس نے ان کے دوسرے شاگرد نورالدین الحسنی سے لیں اور ان کتابوں سے بھی سرقہ کیا۔

اس کے بعد انھوں نے لکھا ہے کہ جب ادب و شعر کے باب میں، جو فضیلت و مرتبے کے اعتبار سے سیرت جیسے موضوع سے یقیناً کم تر ہے، اس میں سرقہ نویسی کو برداشت نہیں کیا جاتا اور اگر کوئی شاعر یا ادیب کہیں سے سرقہ کرتا ہے، تو اس کی سرزنش کی جاتی ہے، اس کی ملامت کی جاتی اور اسے عار دلایا جاتا ہے، تو سیرت جیسے متبرک علمی موضوع پر سرقہ نویسی کو کیسے برداشت کیا جا سکتا ہے، اس سلسلے میں انھوں نے شمس الدین محمد بن حسن نواجی کی کتاب ''الحجة في سرقات ابن حجة'' کا حوالہ دیا ہے، یہ کتاب انھوں نے اپنے دور کے معروف ادیب؛ بلکہ امام الادبا ابوبکر بن علی تقی الدین الحموی کے خلاف لکھی تھی اور ان پر ادبی سرقوں کا الزام لگایا تھا، کہتے ہیں کہ بعد میں جب انھیں مزید تحقیق ہوئی، تو اپنے الزامات سے رجوع کر لیا تھا، اس کتاب کی ضخامت تین سو صفحات سے زائد ہے اور یہ مخطوطہ کی شکل میں جامع ازہر کی لائبریری میں موجود ہے، اس کا پی ڈی ایف ورژن www.alukah.net پر بھی ڈال دیا گیا ہے، دوسرے نمبر پر علامہ سیوطی نے قاسم بن محمد البصری حریری کی مشہور زمانہ ''مقاماتِ حریری'' کے تیئسویں مقامہ ''الشعریۃ'' کی ایک فصل نقل کی ہے، جس میں ابوزید سروجی اپنے ایک شاگرد کا قضیہ لیکر والی حکومت کے پاس پہنچتا ہے اور اپنے شاگرد پر الزام لگاتا ہے کہ میں نے اس کی تعلیم و تربیت کی اور اسے بچپن سے پرورش کر کے جوان کیا، پھر جب یہ بڑا ہو گیا، تو مجھ پر ہی ظلم و زیادتی کرنے لگا، شاگرد کو یہ سن کر حیرت ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے: حضور! میں تو آپ کا فرمانبردار شاگرد ہوں اور کبھی میں نے آپ کے ادب و احترام میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے، تو استاذ کہتا ہے: اس سے بڑی نافرمانی، عیب اور برائی کیا ہو سکتی ہے کہ تم نے میری کتاب اپنے نام سے چھپوالی، میرے اشعار چوری کر کے اپنے نام سے نشر کر دئے، تمھیں معلوم نہیں کہ شعراء کے لیے ان کے اشعار کی چوری سونے چاندی کی چوری سے بھی زیادہ اندوہناک ہے، وہ اپنے افکار و خیالات کی بے حرمتی کے تئیں ایسے ہی باغیرت ہوتے ہیں، جیسے اپنی کنواری بیٹیوں کی بے حرمتی کے تئیں، یہ سن کر والی حکومت اس نوجوان کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: ہلاکت ہو تمہارے لیے، تم تو ایک بدکردار فاضل اور ایک چور شاگرد ہو!۔

سیوطی نے ناصرالدین حسن بن شاور کنانی کا ایک قطعہ بھی نقل کیا ہے: ؎

سارق الشعر على الأبيات عاد أي عاد

وهو لص آمن من قطع كف في فساد

إنما قطع يديه قطعكم عن الأيادي

اشعار چوری کرنے والا شخص پرلے درجے کا ظالم ہے، یہ ایسا چور ہے، جس کا چوری کر کے فساد پھیلانے کی وجہ سے ہاتھ بھی نہیں کاٹا جا سکتا، پس اس کا ہاتھ کاٹنے کی شکل یہی ہے اسے انعامات و اکرامات سے محروم رکھا جائے۔

ایک واقعہ شہاب الدین ابن الخیمی انصاری یمنی کا نقل کیا ہے، جو اپنے زمانے کے مشہور صوفی شاعر تھے، انھوں نے ایک خانقاہ میں قیام کیا اور وہاں بیٹھے بیٹھے ایک نظم لکھی، جب وہاں سے نکلے تو اپنی نظم وہیں بھول گئے، اتفاق سے ان کے بعد وہاں ایک دوسرے صاحب نجم الدین بن اسرائیل ابوالمعالی شیبانی نے قیام کیا، انھیں وہ نظم مل گئی؛ چنانچہ انھوں نے اسے اپنے نام سے پھیلا دیا، جب شہاب الدین یمنی کو معلوم ہوا، تو وہ طیش میں آ گئے، دوسرے ادیبوں، شاعروں سے اس کا ذکر کیا اور معاملہ عمر بن فارض تک پہنچا، جو اس وقت استاد شعرا میں شمار ہوتے تھے اور صوفیانہ شاعری میں امامت کے درجے پر فائز تھے، سلطان العاشقین کے لقب سے جانے جاتے تھے، انھوں نے دونوں سے کہا کہ اپنی اپنی نظم سنائیں، دونوں نے سنائی، تو انھیں اندازہ ہو گیا کہ نظم اصل میں ابن الخیمی کی ہے اور نجم الدین بن اسرائیل نے چوری کی ہے؛ چنانچہ انھوں نے ابن الخیمی کے حق میں فیصلہ سنا دیا، یہ سن کر نجم الدین نے کہا: یہ تو توارد ہے، تو انھوں نے کہا کہ: ''شروع سے آخر تک توارد تو نہیں ہوتا، یہ چوری ہے''۔ (صفحہ: ۴۷-۵۰)

اس کے بعد پھر علامہ سیوطی نے اپنی کتاب سے سرقہ کرنے والے کو کھری کھوٹی سنائی ہے اور اصحابِ تصنیف و تالیف کو نصیحت کی ہے کہ ایسے لوگوں سے اپنی کتابوں کو چھپا کر رکھیں، ان کے ہاتھ نہ لگنے دیں اور ساتھ ہی جو شخص بھی ایسی علمی چوری میں پکڑا جائے، تو بے تحاشا اس کا پردہ فاش کریں؛ تاکہ کوئی دوسرا آئندہ ایسی بددیانتی کی جرأت نہ کر سکے اور اگر کوئی ایسے شخص کی حمایت میں کھڑا ہو، تو اس کی بھی چھتاڑ کریں؛ تاکہ کوئی کسی غلط کام کرنے والے کی حمایت میں کھڑا ہونے کی ہمت نہ کرے، ایک بات اور لکھتے ہیں کہ جب اسے (سارق کو) ایک شخص نے اس چوری کی طرف متنبہ کیا، تو اس نے ایک دو مقام پر ''الطیلسان'' اور ''المسالک'' کے حوالے دیے، مگر ''المعجزات'' اور ''الخصائص'' کا حوالہ نہیں دیا اور حوالہ بھلا کیا دیتا کہ اس نے تو میری دونوں کتابیں پوری کی پوری نقل کر رکھی ہیں، اگر اس کے پیش نظر دیانت و امانت کے تعلق سے اسلامی ہدایات و تعلیمات ہوتیں، تو ایسا نہ کرتا، اسی طرح اگر اس نے مال و دولت کمانے کیلئے یہ حرکت کی ہے، تو بھی اس کے پیش نظر اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہونا چاہیے تھا کہ ''وہ رزاق ہے'' پھر کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر مبہم اندازِ بیان اختیار کیا ہے، جس کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ بعض قارئین کو ان مقامات پر اشکال پیدا ہو، میں تو اس اشکال کے جواب سے واقف ہوں؛ لیکن جس شخص نے چوری کر کے کتاب تیار کی ہے، اگر اس کے سامنے کسی نے اشکال کیا، تو وہ کیا جواب دے سکے گا؟ اس کے بعد ایسے ہی ایک مسئلے پر بحث کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم شریعت و حقیقت دونوں کا کلی علم تھا یا نہیں، اس بارے میں قدرے طویل گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ اس سارق سے پوچھنا چاہیے کہ "وجمعت له علم الشريعة والحقيقة" (یہ سیوطی کی الخصائص کی عبارت ہے اور وہیں سے ناقل نے اٹھایا تھا) کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے، جبکہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کو شریعت کا تو کلی علم ہوتا ہے؛ لیکن حقیقت اشیاء کا علم نہیں ہوتا؟ اس کا انھوں نے تفصیلی جواب دیا ہے، جس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں۔

پھر اپنے موضوع پر لوٹتے ہوئے لکھتے ہوئے ہیں کہ مجھے یہ بھی پتا چلا ہے کہ اس نے جو کچھ میری کتابوں سے نقل کیا تھا، اسے میری طرف منسوب کرنے کو آمادہ ہو گیا تھا، مگر بعض لوگوں نے اسے گمراہ کیا اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ تم نے جو کیا ہے، ٹھیک کیا ہے اور حوالہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، لکھتے ہیں کہ یہ حرکت اس نے علامہ سخاوی کی کتابوں کے ساتھ بھی کی تھی، جس کی انھیں خبر لگ گئی، تو انھوں نے زبردست پھٹکار لگائی اور دھمکی دی، جسکے بعد اس نے اپنی حرکت سے رجوع کر لیا، لکھتے ہیں کہ ایک عجیب واقعہ یہ رونما ہوا کہ اس نے خلیفہ متوکل علی اللہ کے سامنے حلفیہ کہا کہ اس نے میری کتابیں دیکھی تک نہیں ہیں، حالانکہ اس نے سارا مواد میری

کتابوں سے سرقہ کیا ہے۔

اخیر میں لکھتے ہیں کہ اس سارے حادثے کے باوجود اگر وہ شخص اپنی خیانت سے توبہ کرلے، تو میں اسے معاف کردوں گا، اگر اسے میری مزید کسی کتاب کی ضرورت ہوگی، تو میں اسے دینے کے لیے تیار ہوں، اگر میری کسی بات کو اسے سمجھنے میں پریشانی ہوگی، تو اسے سمجھا سکتا ہوں اور میری کتابوں سے نقل کرنے میں جہاں جہاں اس سے غلطی ہوئی، اس کی اصلاح بھی کردوں گا؛ لیکن اگر وہ اپنی خیانت و علمی بدعہدی پر قائم رہا اور اپنے اس جرم پر اصرار کیا، تو میری نگاہ میں اس کی کوئی وقعت نہیں، وہ ایک جاہل اور خائن انسان ہے، میرے بس میں ہو، تو اس کی پیشانی پر لکھ دوں: "إن الله لا يهدي كيد الخائنين" اللہ تعالیٰ خیانت کرنیوالوں کے مکروفریب کو کامیاب نہیں کرتا۔

اس پورے کتابچے سے چند چیزیں معلوم ہوتی ہیں یہ کہ علمی سرقے کی روایت کوئی نئی نہیں ہے، بہت پرانی ہے اور اُس زمانے سے جاری ہے، جب مسلم اربابِ فکر و تحقیق اور اہل تصنیف و تالیف کی یہ دولت انسانی دنیا میں علم و تحقیق کا دور اپنے عروج پر تھا اور یہ سرقے علم و ادب و فکر کے ہر شعبے میں کسی نہ کسی سے صادر ہوتی رہتے تھے، سیوطی نے جن لوگوں کا ذکر بہ طور علمی سارق کیا ہے، وہ سب اپنے دور میں معمولی لوگ نہیں تھے، علم و ادب کے شعبے میں نام دار و کام دار تھے اور ان کی شہرت بھی تھی، مقاماتِ حریری کے ایک تمثیلی واقعے سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ادبی سرقوں کے واقعات سامنے آتے رہتے تھے اور ساتھ ہی ایسا کرنے والوں کی تنبیہ کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ علامہ سیوطی نے اپنی کتابوں کے سرقوں کی جو بات کی ہے، وہ یہ نہیں ہے کہ ان کی کوئی تخلیقی تصنیف یا عبارت نقل کرنے والے نے بغیر حوالہ نقل کردی تھی؛ بلکہ وہ احادیث و آثار تھے، جو انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کے تعلق سے اپنی کتابوں میں جمع کیے تھے، ظاہر ہے کہ وہ انھوں نے بھی کسی نہ کسی کتاب یا محدث سے نقل کیے ہوں گے؛ لیکن چوں کہ وہ نقل کرنے میں سبقت کرنے والے تھے اور ان کے خیال میں دوسرے نے ان کی کتابوں سے ہی وہ روایات نقل کی تھیں؛ اس لیے بعد میں جو شخص نقل کررہا تھا، اس کی دیانت داری کا تقاضا تھا کہ وہ سیوطی کے حوالے سے اس اولین منقول عنہ کا ذکر کرتا، وہ ناقل کون تھا؟ اس سلسلے میں مصنفین و محدثین کے سوانحِ حیات پر مشتمل کتابوں میں عموماً ارشاد الساری والے علامہ شہاب الدین قسطلانی کا نام آتا ہے، کشف الظنون، شذرات الذہب اور فہرس الفہارس والأثبات وغیرہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ سیوطی اور قسطلانی کا یہ معاملہ شیخ الاسلام زکریا انصاری کے پاس پہنچا، تو انھوں نے سیوطی سے کہا کہ آپ اپنا مدعا بیان کیجیے، تو انھوں نے کہا کہ میں نے اپنی کتابوں میں بیہقی کے حوالے سے خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں ایسی روایات نقل کی تھیں، جو مجھ سے قبل اور کسی نے نقل نہیں کیں، مگر انھوں نے اپنی تالیفات میں میرا حوالہ دیے بغیر براہِ راست بیہقی کے حوالے سے ان روایات کو پیش کیا ہے، حالانکہ مجھے یقین ہے کہ ان تک میری کتابوں سے قبل بیہقی کی وہ روایات نہیں پہنچی ہوں گی، ایک واقعہ جو پہلے ذکر بھی کیا جاچکا ہے کہ اخیر میں قسطلانی نے علامہ سیوطی سے معاملے کو رفع دفع کرنے یا ان سے معافی مانگنے کا ارادہ کیا اور ان کے گھر ''روضۃ المقیاس'' پہنچے، مگر انھوں نے دریافت کرنے کے بعد اندر ہی سے انھیں جواب دیکر رخصت کردیا کہ میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہوچکا ہے، اس سے بھی لوگوں نے یہ طے کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ رسالہ سیوطی نے انہی کے بارے میں لکھا ہے، پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ عمل علامہ قسطلانی نے اپنی کسی ایک تصنیف میں کیا، یا کئی کتابوں میں وہ ایسا کرچکے تھے؟ شیخ الاسلام زکریا انصاری والے واقعے کے ضمن میں صاحبِ شذرات الذہب نے تو مطلق لکھا ہے کہ ''سیوطی علامہ قسطلانی کی تحقیر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ ان کی کتابوں سے بغیر حوالہ دئے نقل کرتے رہتے ہیں'' البتہ اِس رسالے کے مرتب نے نشان دہی کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ کتاب ''المواهب اللدنية'' تھی، جو پہلی بار ۸۹۹ھ میں شائع ہوئی،

اس میں جومعجزات و خصائصِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ابواب ہیں، انہی کے بارے میں سیوطی کا الزام تھا کہ قسطلانی نے ان کی کتابوں سے نقل کئے ہیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ قسطلانی کی یوں تو دسیوں تصانیف ہیں، مگر سب سے زیادہ مقبولیت اسی کتاب کو حاصل ہے، سیرت کے موضوع پر مستند مراجع میں شمار کی جاتی ہے اور علماء کی جانب سے اس کی تلخیص وتشریح وترجمہ پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

علامہ سیوطی جیسا کہ ہم نے پہلے ان کے سوانح نگاروں کے حوالے سے لکھا ہے نہایت زودرنج، تندمزاج اور معاصرین کو تسلیم کرنے کے حوالے سے حد درجہ بخیل واقع ہوئے تھے؛ چنانچہ ہمیشہ وہ کسی نہ کسی کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھتے بولتے رہتے تھے، ایک دوسرے معاصر اور معروف محدث ومؤرخ علامہ شمس الدین سخاوی سے بھی ان کی علمی جھڑپیں رہیں، سخاوی نے بھی انھیں نہیں چھوڑا، نتیجہ یہ ہوا کہ سخاوی نے ''الضوء اللامع''میں تفصیل سے سیوطی پر تحریری حملے کیے اور ان پر اساتذہ وشیوخ کی بے احترامی اور علمی سرقے کا الزام لگایا، لکھا کہ انھوں نے بہت سی پرانی کتابوں کو جو گمنام ہوگئی تھیں، اپنی طرف منسوب کرکے چھپوالیا ہے، ظاہر ہے کہ سیوطی کہاں خاموش رہنے والے تھے، انھوں نے کسی لحاظ کے بغیر ان پر بھی حملے کیے اور باقاعدہ ایک کتابچہ''الکاوي في تاریخ السخاوي'' لکھ کر ان پر بھی کئی علمی الزامات لگائے، پھر یہ سلسلہ انہی دونوں تک محدود نہ رہا، ان کے شاگرد و معتقدین بھی میدانِ کارزار میں آگئے اور دونوں کے مدح وذم میں کئی مقالے، کتابچے اور رسالے لکھے گئے، ان تمام لوگوں کے نام اِس کتابچے کے مرتب ہلال ناجی نے اپنے مقدمے میں گنوائے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک خاص بات قابلِ غور یہ ہے کہ علامہ سیوطی کا یہ رسالہ حقوقِ تصنیف وتالیف پر قانونی وفقہی حیثیت سے بحث کرنے والی اولین باضابطہ تحریر ہے؛ کیونکہ انھوں نے یہ رسالہ پندرہویں صدی عیسوی میں لکھا تھا، جبکہ ادبی وفکری حقوق کے تحفظ پر پہلا عالمی معاہدہ، جو''معاہدۂ برن'' کے نام سے مشہور ہے، وہ ستمبر ۱۸۸۶ء میں عمل میں آیا اور اس کے اگلے سال دسمبر سے اس کا نفاذ شروع ہوا اور اس موضوع پر باقاعدہ ایک تنظیم سرگرم ہوئی، فی الوقت دنیا بھر کے ممالک سے اس کے ۱۷۶ ممبران ہیں۔

بلکہ مزید تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ایک سیوطی ہی نہیں، ان کے علاوہ اور بھی کئی لوگوں نے اُسی دور میں اور اس سے پہلے بھی مختلف کتابوں میں ضمناً ہی سہی علمی سرقے کا ذکر کیا اور علمی و تصنیفی دیانت داری کی اہمیت کو اجاگر کیا، محمد ابن اسحاق الندیم نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف''الفہرست'' میں مختلف مقامات پر ایسی چودہ کتابوں کا ذکر کیا ہے، جن میں علمی وادبی سرقہ پر بحث کی گئی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ ساری کتابیں تیسری، چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئی ہیں، انھوں نے اسی کتاب میں کئی ایسے لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے، جنھوں نے علمی یا ادبی سرقے کا ارتکاب کیا، اس مضمون کی تکمیل کے دوران ہی مجھے ایک صاحب نوراللہ فارانی (پاکستان) نے علامہ سیوطی کے ایک اور مقالے کی طرف متوجہ کیا، اس کا نام''البارق في قطع السارق'' ہے، جسے ڈاکٹر عبدالحکیم انیس نے اپنی تحقیق، تخریج، حواشی اور قیمتی علمی اضافوں کے ساتھ''ادارۃ البحوث'' دبئی سے ۲۰۱۲ء میں شائع کروایا ہے، ۱۳۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب بھی زبردست ہے اور اس میں علامہ سیوطی نے سرقہ نویسی پر علمی، تاریخی، فنی واصولی بحث کی ہے، انھوں نے سرقہ کی تین قسمیں قرار دی ہیں:

اول احادیث سرقہ کرنے والے، جن کا تذکرہ ابن حبان، عقیلی اور ابن الجوزی نے اپنی اپنی''کتاب الضعفاء'' میں، ابن عدی نے ''الکامل''میں اور امام ذہبی نے''میزان الاعتدال''میں کیا ہے۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے، جو مختلف الموضوع کتابوں میں سے ایک حصہ یا بہت بڑا حصہ یا پوری کتاب ہی چوری کرکے اپنے نام سے شائع کردیتے ہیں، ایسے بہت سے لوگوں کا انھوں نے ذکر کیا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ ان میں ایسے ایسے نام ہیں، جنھیں ہم نہایت قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے اور علمی دنیا ان کی تحریروں اور کتابوں پر

صدیوں سے اعتبار کرتی آرہی ہے۔

تیسری قسم ان لوگوں کی بیان کی ہے، جنھوں نے اشعار کی چوری کی، پھر ان کی دو قسمیں کی ہیں، اول جنھوں نے شعراء کے خیالات چرائے اور اپنے الفاظ میں انھیں بیان کیا، دوم ایسے شعراء، جنھوں نے لفظ و خیال دونوں چوری کر لیے، اس فہرست میں عربی کے بڑے بڑے شعراء مثلاً بحتری، متنبیؔ، ابوالعتاہیہ، بشار بن برد، عمر بن ابی ربیعہ، حطیئہ، ابن رشیق، جریر اور فرزدق شامل ہیں، اس کتاب کے محقق نے اس کا سالِ تصنیف ۹۰۱ھ لکھا ہے، اس میں اچھا خاصا مواد ''الفارق بین المصنف والسارق'' کا بھی شامل ہے اور اخیر میں علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ ایک صاحب نے میری چار کتابوں سے بہت سا مواد چوری کر کے اپنی کتاب میں شامل کر لیا، جس کی نشان دہی کیلئے میں نے ''الفارق بین المصنف والسارق''، لکھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے جس رسالے کا جائزہ لیا ہے، وہ پہلے لکھا گیا، اس کے بعد علامہ سیوطی نے اصولی و تاریخی حیثیت سے سرقہ نویسی پر گفتگو کرنے کے لیے ایک علیحدہ مقالہ لکھا، جس کا نام ''البارق علی قطع السارق'' رکھا، محقق نے دعویٰ کیا ہے کہ انھیں اس کے تین خطی نسخے مدینہ منورہ اور قاہرہ سے ملے، جبکہ ایک چوتھا نسخہ لیڈن کے کتب خانے میں بھی موجود ہونے کے بارے میں انھیں پتا چلا ہے، بہر کیف انھوں نے اپنی گراں قدر تحقیق و تخریج کے ذریعے اس عظیم علمی سرمایے کو دنیا کے سامنے لا کر اہل علم پر بڑا احسان کیا ہے، جس کیلئے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔

اس طرح کی چیزیں ہمارے مطالعے میں رہنی چاہئیں؛ تا کہ ہم خود بھی علمی اخلاقیات سے متصف ہوں، ساتھ ہی اپنے اندر یہ جرأت بھی پیدا کریں کہ اگر کسی سے جان بوجھ کر علمی بد دیانتی کا صدور ہو رہا ہے، تو فوراً اس کی نشان دہی کریں، ایسا کرنے والے کی حوصلہ شکنی کریں اور تحریری و تقریری طور پر ایسے لوگوں کو بے نقاب کریں؛ تا کہ تصنیف و تحقیق جیسے عملِ عالی کی آبرو قائم رہے۔

❁❁❁

غـــزل

پیشکش: الحاج حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ

وفا شناس ہیں دل میں ریا نہیں رکھتے
زمانے والوں سے کوئی گلہ نہیں رکھتے

عزیز رکھتے ہیں انسانیت کے رشتے کو
ہم اس راہ میں کوئی فاصلہ نہیں رکھتے

محبتوں سے جو واقف ہیں تیرے بندے
عداوتوں سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے

ہم اپنا چہرہ ہتھیلی پہ دیکھ لیتے ہیں
ہم اہل شوق ہیں کوئی آئینہ نہیں رکھتے

وہی ترستے ہیں عادل قرار جاں کیلئے
جو اپنے ہونٹوں پہ حرف دعا نہیں رکھتے

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا چاہئے

اگر قرآن کریم کا ترجمہ سرسری طور پر پڑھا، یا سنا جائے تو ثواب تو ملے گا ہی لیکن اس دھیان سے پڑھے کہ میرے اللہ نے کیا کہا ہے، یہ کیا دستوار العمل ہے جس پر میں چلوں، تو ایک تو ہے محض سمجھ لینا، ایک ہے اس کے معنی کو اپنا دستور العمل بنانا کہ اس پر مجھے چلنا ہے، چونکہ قرآن شریف قانون کی کتاب ہے اور قانون محض اس لیے نہیں پڑھایا جاتا کہ آدمی اس کورٹ لے بلکہ اس لیے پڑھایا جاتا ہے کہ قانون کے مطابق زندگی گزاری جائے، قرآن کریم اللہ تعالی کی ذات وصفات کا مظہر ہے، قرآن پاک میں کمالات الٰہی پوشیدہ ہیں اور قرآن شریف اللہ سے تعلق کا ذریعہ ہے۔ (عبداللہ عزیزی)

یادِ رفتگاں

مشرقی یوپی کی مایہ ناز شخصیت
مولانا صادق بستویؒ اپنے رب کے حضور میں

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

تمہید:

مشرقی یوپی خاص طور سے بستی اُجیار ہمیشہ سے علم وہنر کا گہوارہ مرکز رہا ہے، یہاں ہر دور میں علم کی شمع کو روشن کرنیوالے عام طور سے پیدا ہوتے رہے، بستی شہر سے مہنداول روڈ پر واقع یہ علاقہ اپنی مردم خیزی کے اعتبار سے مشہور ومعروف ہے، اسی علاقہ سے مولانا صادق بستوی قدس سرہ کا بھی تعلق تھا، مولانا مرحوم کی ذات ایک انجمن کی مانند تھی، ان کے یہاں اونچ نیچ کا کوئی فرق نہیں تھا، امیر وغریب سب سے یکساں طور پر ملتے، ان کی علمی گہرائی کا شہرہ ہر کس وناکس کی زبان پر عام تھا، مولانا اردو نظم ونثر میں ید طولی رکھتے تھے، جب چاہتے اردو میں بلا جھجک لکھتے اور شعر کہہ دیتے تھے، ان کے یہاں اہل علم کا ایک ہجوم رہتا تھا جو اپنی اصلاح اور علم میں پختگی کیلئے پروانہ وار جمع ہوتے تھے۔

مولانا صادق بستوی کی علمی زندگی:

مولانا صادق علی بستویؒ نے ایک پسماندہ انصاری گھرانے میں ۱۵/ اپریل ۱۹۳۶ء کو دریا آباد، ضلع بستی (موجودہ ضلع سنت کبیر نگر) میں آنکھیں کھولیں، آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے مکتب میں حاصل کی، مکتب کے اساتذہ میں ماسٹر شہرت علی دریا آبادی، ماسٹر وکیل احمد اور ماسٹر عبدالحمید وغیرہم قابل ذکر ہیں، اس کے بعد آپ نے فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم گاؤں سے متصل ''مدرسہ دینیہ'' مونڈا ڈیہہ بیگ میں حاصل کی، یہاں انہوں نے مفتی مرتضی حسین اور مولانا عبدالوہاب صاحب سے پڑھا، پھر متوسطات کی تعلیم کے لئے جامعہ مسعودیہ نورالعلوم بہرائچ کا رخ کیا اور وہاں کے ماہر اساتذہ سے علم حاصل کیا، اعلی تعلیم کیلئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں وقت کی نابغہ روزگار شخصیت سے کسب فیض کیا، جن میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا اعزاز علی امروہویؒ، مولانا محمد حسین بہاریؒ، مولانا معراج الحق دیوبندیؒ، مولانا سید اختر حسین دیوبندیؒ، مولانا سید فخر الحسن مرادآبادیؒ، مولانا بشیر احمد خان بلند شہریؒ، مولانا محمد جلیل علوی کیرانویؒ، مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندیؒ اور فخر طب حکیم محمد عمر صاحب دیوبندیؒ وغیرہم قابل ذکر ہیں اور یہیں سے ۱۹۵۵ء میں فراغت حاصل کی۔

مولانا صادق بستوی کی تبحر علمی:

مولانا صادق بستوی کی تحریر میں جذباتی انشاء پردازی نہیں تھی بلکہ حقائق سے بھرپور اور مبالغہ آرائی سے کام نہ لیتے ہوئے مشکل سے مشکل الفاظ کو بھی اپنی قلم کا افسانہ بنا دیتے تھے، مولانا اپنی قلمکاری کے زور پر ساحرانہ اسلوب ترتیب نہیں دیتے؛ بلکہ آسان اور سادہ کردار نگاری میں فطری اثر اور دلآویزی پیدا کرتے تھے، جو ایک مؤرخ کی ذمہ داری ہوتی ہے، کیسا بھی موضوع ہوتا ان کے دلوں کے درد کا عکس صاف نظر آتا، مولانا تقریباً ڈیڑھ درجن کتابوں کے مصنف ومؤلف تھے، جن میں ہر کتاب اپنی مثال آپ ہے، مندرجہ ذیل میں مولانا کی مطبوعہ کتابیں پیش کی جارہی ہیں:

(۱) داعی اسلام (غیر منقوط شاہنامہ اسلام)۔
(۲) نقوش زندگی۔
(۳) گلدستہ (بچوں کی نظموں کا مجموعہ)۔
(۴) صنف نازک کے لئے دعوت فکر۔
(۵) نماز کیا ہے؟۔
(۶) رمضان کی باتیں۔
(۷) تب وتاب (مجموعہ کلام)

(۸) مظلوم شہزادہ (کہانی)

(۹) قبر پر اذان۔

(۱۰) تشریحات علی المرقات (شرح مرقات)

(۱۱) تسہیل الآلہ (شرح تعریف الاشیاء)

(۱۲) ریاض الصرف۔

(۱۳) ریاض النحو۔

(۱۴) میزان منشعب (منظوم)

(۱۵) عبداللہ بن سلام بحضور سید خیر الانام۔

(۱۶) خیر المفہوم (شرح سلم العلوم)۔

مولانا صادق بستوی کی مجلس میں راقم کا تذکرہ:

مدرسہ عربیہ رحمانیہ نور العلوم جوری کے ناظم مولانا عباس علی صاحب قاسمی ایک جگہ رقمطراز ہیں کہ: ''ایک موقعہ پر مولانا عبدالرحیم صاحب کے دولت خانہ پر مولوی حمید اللہ قاسمی سلمہ کا بھی تذکرہ آیا، مولانا صادق علی بستویؒ نے مولانا عبدالرحیم صاحب (سابق استاذ دار العلوم دیوبند) سے کہا کہ ''حمید اللہ قاسمی کبیر نگری کون ہے؟'' مظفر آباد، ضلع سہارنپور سے میرے پاس ایک رسالہ آتا ہے اور اس میں مستقل اس کا مضمون رہتا ہے، آخر یہ کون ہے؟ جس پر مولانا عبدالرحیم صاحب تو خاموش رہے؛ لیکن مولانا مشتاق احمد صاحب قاسمی نے بتلایا کہ ''وہ تو ہمارے ہی گاؤں کے مولانا کلیم اللہ صاحب کا بھتیجا ہے''۔

راقم کی مولانا صادق بستوی سے ملاقات:

راقم کا مولانا مرحوم سے نہ تو کوئی تعلق تھا اور نہ ہی کبھی بالقصد ملنے کی توفیق ہوئی، ہاں اتنا ضرور ہے کہ ایک دفعہ دوران طالب علمی میں مولانا عبدالسلام صاحب قاسمی کے دولت خانہ ''کسرؤ'' پر ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، بچپن میں یہ ملاقات نہ تو کسی مقصد کی غرض سے تھی اور نہ ہی کسی عقیدت، بس یونہی ایک مہمان کی حیثیت سے ہوئی تھی؛ لیکن مولانا مرحوم کے بارے میں یہ ضرور سنا تھا کہ لہرولی بازار میں مولانا صادق علی بستوی رہتے ہیں جو بہت بڑے عالم دین ہیں، درسی کتابوں میں انہیں کمال حاصل ہے اور منطق وفلسفہ کے ماہر ہیں اور یہ بھی سنا تھا کہ جس طرح ایک حافظ ''قرآن پاک'' کو حفظ کر لیتا ہے، اسی طرح مولانا کو بخاری شریف بھی مکمل یاد تھی، جہاں سے چاہتے وہاں سے پڑھ دیتے، اتنا سب کچھ جاننے کے باوجود بھی راقم کبھی ملنے نہیں گیا، کئی بار سوچا بھی لیکن اپنی کم علمی اور لاابالی پن کی وجہ سے نہ جاسکا، پچھلے دو سالوں سے جانے کا پروگرام بھی بنایا؛ لیکن پھر بھی نہ جاسکا، ملنے کا اشتیاق دن بدن بڑھتا ہی جارہا تھا، چونکہ ایک موقع پر راقم کو مولانا مرحوم نے یاد بھی کیا تھا، جس کی اطلاع مولانا مشتاق احمد صاحب قاسمی نے راقم کو دی تھی، اس لئے ان سے ملنے کی تمنا دل میں کچوکے لگا رہی تھی؛ لیکن اس بدقسمتی کا رونا رویا جائے یا کچھ اور کہا جائے کہ ملنے کی یہ تمنا دل ہی دل میں جذب ہو کر رہ گئی، بالآخر مولانا ۱۵ر دسمبر ۲۰۱۸ء سنیچر کے روز اللہ کو پیارے ہوگئے، یوں تو دنیا سے سب کو جانا ہے؛ لیکن مولانا کے چلے جانے سے جہاں ان کے خاندان اور اہل تعلق سوگوار ہیں، وہیں علماء اور صلحاء کا ایک بڑا طبقہ ان کے چلے جانے پر غم زدہ ہے، سبھوں کی زبان پر یہ شعر گردش کر رہا ہے:

ستارے ٹوٹتے رہتے ہیں شب وروز
غضب تو اب ہوا جو آفتاب ٹوٹا ہے

راقم کی مولانا صادق بستوی کے صاحبزادے سے ملاقات:

۲۳ر دسمبر ۲۰۱۸ء اتوار کے روز مولانا مشتاق احمد صاحب قاسمی کی صاحبزادی (محترمہ عالیہ آپا) کی عیادت کیلئے ''سنبھو ناتھ میموریل ہاسپٹل بنھواں'' گیا (جو علاقہ کا ایک بڑا ہسپتال ہے) جہاں پر وہ ایڈمیٹ تھیں، راقم کے ساتھ مدرسہ نور العلوم جوری کے استاد حافظ عبدالحمید صاحب بھی تھے، راقم جب ہسپتال پہنچا تو معلوم ہوا کہ مولانا صادق بستوی کے صاحبزادے جناب خالد کمال بھی آئے ہوئے ہیں، میں نے موقعہ کو غنیمت سمجھا کہ چلو ایک تیر سے دو شکار ہوگئے، چنانچہ ان سے ملنے کے ہسپتال کے اندر گیا، وہاں ہسپتال کے ذمہ دار ڈاکٹر این این شریواستو صاحب بھی موجود تھے، جو مولانا صادق بستوی کے بہت

مداح ہیں، ڈاکٹر صاحب انہیں اپنا استاد سمجھتے تھے، ڈاکٹر صاحب چونکہ ایک شاعر بھی ہیں، وقتاً فوقتاً اپنی اصلاح بھی انہی سے کراتے تھے، مولانا کا انتقال بھی انہی کے ہسپتال میں ہوا تھا، چنانچہ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ باہر آ گئے اور تھوڑی دیر تک آپسی گفتگو ہوئی اور بہت سی چیزوں پر تبادلہ خیال بھی ہوا۔

راقم کی نمازجنازہ میں شرکت:

راقم الحروف مولانا صادق علی بستوی کے انتقال کے ایک روز قبل ہی اپنے وطن پہنچا تھا، اگلے دن صبح دس بجے مدرسہ نورالعلوم جوری کے مہتمم مولانا خلیل الرحمٰن صاحب قاسمی کو فون کیا کہ بندہ ملاقات کرنا چاہ رہا ہے، چونکہ مولانا کی کچھ رقم راقم کے پاس تھی، اس لئے سوچا پہلے یہ کام کرلوں، پھر دوسرا کام کیا جائے گا، ابھی بات کرنا چاہ ہی رہا تھا کہ مولانا نے بتلایا کہ مولانا صادق علی صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، اور میں وہاں جانیکا پروگرام بنا رہا ہوں، اتنا سننا ہی تھا کہ بدن کانپ اٹھا اور نا چاہتے ہوئے بھی استرجاع کے الفاظ کو زبان پر لانا پڑا، میں نے تفصیل معلوم کرتے ہوئے یہ کہا کہ مجھے بھی چلنا ہے، میرا ابھی انتظار کرلیجئے، انہوں نے جواب دیا کہ کوئی بات نہیں آپ آ جائیں، چنانچہ راقم تیار ہوکر مدرسہ نورالعلوم پر پہنچا تو دیکھا کہ کچھ لوگ اور بھی جانے کیلئے تیار تھے، جن میں راقم کے علاوہ مولانا عباس علی صاحب قاسمی، مولانا احمد حسین صاحب قاسمی، مولانا کلیم اللہ صاحب قاسمی، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب قاسمی، صوفی ریاض احمد صاحب اور مدرسہ کے دو طلبہ بھی تھے، چنانچہ ہم لوگ نماز جنازہ سے آدھا گھنٹہ پہلے پہنچ گئے۔

مولانا صادق بستوی کا آخری دیدار:

مولانا مرحوم کے جسد خاکی کو مدرسہ ''دارالعلوم فاروقیہ'' دریا آباد لایا گیا تھا، راقم اپنی گاڑی سے اتر کر فوراً اس بھیڑ کی طرف آگے بڑھا جہاں مولانا کا جنازہ رکھا ہوا تھا، اس جگہ پر کثرت ہجوم کے باوجود بھی پرسکون ماحول تھا، سب لوگ یکے بعد دیگرے اس علم وکمال کے جوہر کو دیکھنے کیلئے آگے بڑھ رہے تھے، راقم بھی دیکھنے کیلئے آگے بڑھا اور سرہانے کی جانب گیا، جیسے ہی مولانا مرحوم کے چہرے پر نظر پڑی اپنے ماضی کی یادوں میں گم ہوگیا، اسی وقت زبان پر یہ شعر آ گیا: ؎

نظر تو آئی تھی، ہلکی سی کرن تبسم کی
پھر اسکے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

تھوڑی دیر کے لئے راقم جنازہ سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہوا اور اپنے بچپن کی ملاقات کو سوچنے لگا، اپنی محرومی اور دوبارہ ان سے ملاقات نہ کرنے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ کو کوسنے لگا کہ کاش! تھوڑا سا وقت نکال کر اس مرد کیمیا سے ملاقات کر لیتا، ان سے کچھ حاصل کر لیتا، علم کی روشنی سے اپنے دل کے اندھیرے کو اجالا کر لیتا؛ لیکن ہائے رے ناکامی اور بدنصیبی، ایسے قیمتی انسان سے کچھ حاصل کر نہ سکا اور بالآخر علم وہنر کا یہ قیمتی سرمایہ آج ہمیں اور اپنے تمام لواحقین کو روتا بلکتا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوگیا، یہی سوچتے آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی نے سامنے اندھیرا کر دیا اور ایسا لگا کہ تھوڑی دیر کیلئے آنکھوں سے روشنی ہی غائب ہوگئی ہو، تو بے ساختہ زبان پر یہ شعر آیا: ؎

وقت رخصت خود بنے ہم ایک کونے میں کھڑے
روشنی آنکھوں کی آنکھوں سے جدا کرتے رہے

بہر حال تھوڑی ہی دیر میں عصر کی نماز کا اعلان ہوا کہ عصر کی نماز ہونے جارہی ہے، چنانچہ مدرسہ کی چھت پر نماز عصر ادا کی گئی اور متصلاً نماز جنازہ کیلئے جسد خاکی کو اٹھا کر اس میدان میں لے جایا گیا جہاں پر وصیت کے مطابق تدفین ہونی تھی، قبرستان مدرسہ کے تھوڑے فاصلے پر تھی، وہیں پر نماز جنازہ ادا کی گئی اور علم وہنر کے اس قیمتی جوہر کو ۱۵ ر دسمبر ۲۰۱۸ء مغرب کے وقت سپرد خاک کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے، ان کو اپنی ردائے رحمت سے ڈھانپ لے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے: ''يأيتهاالنفس المطمئنة، ارجعي الى ربك راضية مرضية، فادخلي في عبادي وادخلي جنتي''۔

جان کر من جملہ خاصان میخانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

دعوت اصلاح

آیئے! محاسبہ کیجئے کہ کل کیلئے کیا جمع کیا؟

محمد مسعود عزیزی ندوی

یہ مضمون دراصل راقم کا ایک بیان ہے، جو ۱۴؍جنوری ۲۰۱۲ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء مسجد رشید مظفر آباد میں نمازیوں کے سامنے ہوا، اس کی افادیت کے پیش نظر قارئین کی نذر کیا جارہا ہے۔

اللہ سے ڈرو:

ابھی نماز سے پہلے مجھے حکم ہوا کہ نماز کے بعد کچھ دینی باتیں کہہ دیجئے، فوراً برجستہ کچھ کہنا ایک امتحان او رآزمائش کی بات ہوتی ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی، امام صاحب نے عشاء کی نماز میں جن آیات کا انتخاب کیا، ان کی روشنی میں مسئلہ آسان ہوگیا، امام صاحب نے جو چند آیتیں پہلی رکعت میں پڑھی ہیں، ان میں پیغامات تو بہت سارے ہیں لیکن شروع کی دوتین آیتوں کے سلسلہ میں عرض کرنا ہے، امام صاحب نے پہلی آیت پڑھی: "یایھاالذین آمنوا اتقوا اللّٰہ ولتنظر نفس ماقدمت لغد" اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اللہ کا لحاظ کرو، رات کی اندھیری میں بھی اور دن کے اجالے میں بھی، کھیتی میں بھی، بازار میں بھی، دوکان پر بھی، مسجد میں بھی، مدرسے میں بھی، بلکہ زندگی کے جتنے شعبے ہیں، ہر جگہ اللہ سے ڈرو اور اللہ کا لحاظ کرو "ولتنظر نفس ماقدمت لغد" اور ہر ایک جان، ہر ایک انسان یہ دیکھے کہ کل کے لئے کیا جمع کررہا ہے، آنکھ بند ہونے کے بعد جو کل آنیوالی ہے، اس کے لئے کیا بینک بیلنس کررہا ہے، اس کے لئے کیا اکٹھا کررہا ہے۔

اپنا محاسبہ بھی کرتے رہو:

اللہ سے ڈرو بھی اور پھر یہ دیکھتے رہو کہ ہمارے پلہ کچھ ہے بھی یانہیں، جیسا کہ ہم اپنے بینک میں دیکھتے رہتے ہیں، ہم اپنے بٹوے میں دیکھتے رہتے ہیں، ہم اپنے پرس میں دیکھتے رہتے ہیں کہ اپنی تجوری کے اندر کچھ بچا ہے یانہیں، کبھی جیب سے نکال کر پیسے گنتے بھی رہتے ہیں کہ یہ پچھلے ہفتہ ڈیڑھ سو تھے، دیکھو یہ خریدا تھا وہ خریدا تھا، غور کرتے ہیں، محاسبہ کرتے ہیں، سب انسان ہیں، سب کی طبیعت مختلف ہے، تو ہر ایک غور کرتا ہے، اللہ کہہ رہے ہیں کہ یہ تو کرتے ہی ہیں؛ لیکن کل کیلئے، آنکھ بند ہونے کے بعد جو شروع ہونیوالی کل ہے، اس کے لئے بھی کچھ دیکھتے رہا کرو کہ کچھ جمع ہوا ہے یانہیں؟ جیسے ہمارے گنے کی پرچی آتی ہے، تو بینک میں لے جاتے ہیں، چیک کرتے ہیں یا کسی کے پاس ادھار ہے، جو ایک ہفتہ میں آنا تھا، دودھ والا ہے یا دوکان والا ہے، تو کاپی کو چیک کرتا ہے کہ دیکھوں کس کس پر ادھار ہے؟ کس کس کا آگیا، دس تاریخ میں آنا تھا، اور آج پندرہ ہوگئی، سولہ ہوگئی، ابھی نہیں آئے، تو غور کرتا ہے، اللہ نے کہا کہ جیسے تم غور کرتے ہو، اپنی کاپیوں کو دیکھتے ہو، اپنی ڈائریوں کو دیکھتے ہو۔

آپ کے ہر عمل سے اللہ باخبرہے:

اسی طرح اپنے عمل کی ڈائریاں ہیں، ان کو بھی دیکھو "ولتنظر نفس ماقدمت لغد" کل کے لئے کیا جمع کیا ہے، اس کو بھی تو دھیان میں رکھو، اس پر بھی تو غور کرو "واتقوا اللّٰہ، ان اللّٰہ خبیر بما تعملون" اللہ سے ڈرو! اللہ کو سب معلوم ہے تم کیا کرتے ہو، تمہارے دلوں کے اندر کیا کیا باتیں ہیں، دلوں میں تم کیا سوچتے ہو وہ بھی اللہ کو پتہ ہے، اور تم کیا پلان اور منصوبے بناتے ہو یہ بھی اللہ کو پتہ ہے، تم دوسروں کے بارے میں اچھا سوچتے ہو یا برا سوچتے ہو، یہ بھی اللہ کو پتہ ہے، تمہاری نیتیں صحیح ہیں یا غلط، یہ بھی اللہ کو پتہ ہے، تمہاری نگاہیں کدھر دیکھتی ہیں، سب اللہ کو پتہ ہے، غرض یہ کہ زندگی کے جتنے بھی اعمال ہم انجام دیتے ہیں، خواہ وہ اپنی گھریلو زندگی سے متعلق ہوں یا عام معاشرہ

سے متعلق، جتنے بھی اعمال اور جتنے بھی کام ہیں سب کو اللہ جانتا ہے۔

اللہ کو بھولنے والے مت بنو!:

اللہ تعالی دوسری آیت میں فرماتا ہے: "ولا تکونوا کالذین نسوا اللّٰہ فانساھم" اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو خدا فراموش ہی نہیں بلکہ خود فراموش ہو گئے، یعنی جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا، جب اللہ کو بھلا دیا تو اپنے آپ کو بھی بھلا دیا، تو وہ خدا فراموش بھی ہو گئے اور خود فراموش بھی ہو گئے، اللہ کو جانتے ہی نہیں کہ اللہ کیا ہے، اللہ کے ہم پر کیا حقوق بنتے ہیں، اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے یا نہیں، ہم یہ سمجھیں کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

اللہ تعالی ظاهر اور باطن سب کو دیکھتا هے:

گاؤں کا یا محلّہ کا کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے، اس کا تو ہم لحاظ کرتے ہیں، لیکن اللہ جو ساتوں آسمان کے اندر، ساتوں زمین کے اندر یہاں تک کہ ایک کالے کنویں کے اندر، کالی کوٹھری کے اندر، اندھیری کوٹھری کے اندر جو چیونٹی چلتی ہے، جس پتھر پر یا جس زمین پر وہ چلتی ہے، اس کے قدموں کو بھی اللہ تعالی دیکھتا ہے، تو اللہ ہمارے اعمال کو، ہمارے کرتوتوں کو سب کو دیکھتا ہے۔

اللہ کو بھولنے والے خود کو بھول جاتے هیں:

ظاہر ہے کہ جب انسان اللہ کو بھول جاتا ہے تو پھر اپنے نفس کو بھی بھول جاتا ہے، تو اللہ کہہ رہے ہیں کہ ایسا نہ بنا کہ تم خالق کو بھی بھول جاؤ اور خود اپنے آپ کو بھی بھول جاؤ، جب انسان خالق کو بھول جاتا ہے، تو اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے، اور جب اپنے کو بھی بھول جاتا ہے تو جو مرضی آئے وہ کرتا ہے، جو طبیعت میں آئے کرتا ہے، اس کو حق کی، حلال کی، حرام کی، معاشرہ کی، شرم کی، حیاء کی کوئی اس کو پرواہ نہیں ہوتی، جو طبیعت میں آیا کر لیا اور بظاہر وہ اپنے آپ کو سمجھدار سمجھتا ہے، بظاہر وہ اپنے آپ کو عقلمند سمجھتا ہے، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھ سے زیادہ دماغ والا، مجھ سے زیادہ سمجھدار، مجھ سے زیادہ پڑھا لکھا، مجھ سے زیادہ عقلمند کوئی ہے نہیں، حالانکہ وہ خالق کو بھی بھولا ہوا ہے، اور اپنے آپ کو بھی بھولا ہوا ہے۔

اللہ کو بھولنے والے فاسق هوتے هیں:

اللہ نے کہا ان لوگوں کی طرح مت بنا جو لوگ خدا کو بھول گئے، پھر اپنے آپ کو بھی بھول گئے "اولئك هم الفاسقون" ایسے لوگ تو فاسق ہیں، ایسے لوگ فاجر ہیں، ایسے لوگ اللہ کے نافرمان بندے ہیں، اور ظاہر ہے جب وہ ایسے کام کرے گا، خالق کو بھولے گا اپنے آپ کو بھولے گا تو پھر اللہ کی طرف سے اس کے لئے بدلہ میں جہنم ملے گی، جنت نہیں ملے گی، جس نے خالق کو یاد کیا، وہ ہر جگہ اللہ کا لحاظ کرے گا، زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ کا لحاظ کرے گا، موٹی موٹی باتیں بتلا رہا ہوں، تفسیر کی جائے تو بہت طویل ہو جائے گی، صرف اشارہ کر دیتا ہوں، سب لوگ سمجھدار ہیں، سب سمجھتے ہیں، اچھے برے کی تمیز سب کو ہے، تو جب اچھا کرے گا، اپنے آپ کو جانے گا، اپنے نفس کو جانے گا اپنے خالق کو جانے گا تو صحیح چلے گا، اور جو صحیح چلے گا اس کو جنت ملے گی۔

جنت والے کامیاب هوں گے:

اللہ تعالی تیسری آیت میں فرمارہے ہیں: "لایستوی أصحاب النار وأصحاب الجنة، أصحاب الجنة هم الفائزون" کہ جنت والے اور جہنم والے برابر نہیں ہو سکتے، جنت والے اور دوزخ والے کیسے برابر ہو سکتے ہیں، اسی طرح اللہ قرآن میں کہتا ہے: "هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون" جو لوگ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ برابر نہیں ہو سکتے ہیں؟ کہیں کہتا ہے: "هل یستوی الأعمی والبصیر" جو اندھے ہیں اور جو دیکھنے والے ہیں کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں؟ مختلف انداز سے اللہ تعالی بیان فرماتے ہیں کہ جو دیکھنے والے ہیں، اور جو اندھے ہیں وہ برابر نہیں ہو سکتے، سمجھدار اور ناسمجھدار برابر نہیں ہو سکتے، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ برابر نہیں ہو سکتے، ایسے ہی جو نوازے جائیں گے جن کو اللہ تعالی کی طرف سے انعامات کی شکل میں جنت ملے گی، اور وہ لوگ جن کو سزا کی شکل میں جہنم ملے گی وہ برابر نہیں

ہوسکتے: ”لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنة“ جہنم والے اور جنت والے برابر نہیں ہوسکتے: ”اصحاب الجنة هم الفائزون“ جنت والے لوگ کامیاب ہوں گے۔

ان تینوں آیتوں میں اللہ نے ہم کو خبردار کیا ہے:

یہ تین آیتیں ہیں، پہلی آیت اپنے معنی، اپنے مفہوم کے اعتبار سے بہت جامع ہے، گویا کہ پوری زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہے، پوری زندگی کو گھیرے ہوئے ہے، اس میں اللہ کا فرمانا ہے کہ اللہ کا لحاظ کریں، ظاہر ہے کہ جو زندگی میں اللہ کا لحاظ کرے گا، ٹھیک ٹھیک چلے گا، سنبھل سنبھل کے چلے گا، دوسرے کے حقوق کا خیال کرے گا، دوسرے کو گالی نہیں دے گا، دوسرے کو برا بھلا نہیں کہے گا، دوسرے کی غیبت نہیں کرے گا، دوسرے کا مال ہڑپ نہیں کرے گا، دوسرے کی طرف سے بدظنی نہیں کرے گا، دوسرے کی طرف سے اپنے دل کے اندر کدورت نہیں رکھے گا، دوسرے کے حقوق کو پامال کرنے کا خیال تک ذہن میں نہیں لائے گا، بلکہ جو دل کے اندر ہے صاف کہے گا، جو بات کہنی ہے، صاف کہہ دے گا، دل کے اندر چھپا کر نہیں رکھے گا، جس سے دلوں کے اندر بغض ہو، دوریاں ہوں، وہ اللہ کا لحاظ کرے گا، کھانے میں بھی اللہ کا لحاظ کرے گا، بزنس میں، کاروبار میں ہر چیز میں اللہ کا لحاظ کرے گا، جاگنے میں بھی اللہ کا لحاظ کرے گا، اللہ کے فرائض کا بھی خیال کرے گا، واجبات کا بھی خیال کرے گا، اللہ کے سارے حکموں کا بھی خیال کرے گا، جب اللہ کا لحاظ کریگا، تو ٹھیک ٹھیک چلے گا، اور آخری آیت جو فرمائی اس میں اللہ نے بتلا دیا کہ جو لحاظ کرنے والے ہیں، ہم ان کو جنت دیں گے اور انعامات دیں گے کہ دیکھو یہ کرلو پھر تمہیں جنت ملے گی، اور جن کو جنت ملے گی اور جن کو نہیں ملے گی، وہ برابر نہیں ہوسکتے، اللہ تعالی مجھے بھی اور آپ کو بھی صحیح طور سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جنت کا مستحق بنائے اور جہنم کے اعمال اور اللہ کی ناراضگی والے کاموں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱-مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو)
۲-بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو)
۳-جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ)
۴-ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی)
۵-رہنمائے سلوک وطریقت ۶-مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا
۷-الامامۃ فی الصلاۃ ومسائلہا واحکامہا ۸-التدخین بین الشرع والطب
۹-حیات عبدالرشید ۲۰۰/روپئے ۱۰-سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ
۱۱-تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ۱۲-تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ
۱۳-تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۱۴-تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ۱۵-چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید
۱۶-مقالات ومشاہدات ۱۷-مکتوبات اکابر
۱۸-چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول
۱۹-افکار دل (۳۰/تقریروں کا مجموعہ) ۲۰-مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ
۲۱-تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ
۲۲-سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳-لڑکیوں کی اصلاح وتربیت
۲۴-ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ
۲۵-میری والدہ مرحومہ (نقوش وتأثرات)
۲۶-قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت
۲۷-تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری
۲۸-نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالا ۲۹-تصوف اور اکابر دیوبند
۳۰-امامت کے احکام ومسائل ۳۱-اللہ ورسول کی محبت
۳۲-فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات ۳۳-عقائد اور ارکان اسلام
۳۴-ماں باپ اور اولاد کے حقوق ۳۵-میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام
۳۶- القادیانیة ثورة على النبوة المحمدية ۳۷- سيرة النبي الأكرم
۳۸-درد دل ۳۹-ساز دل ۴۰-حیات شیخ الحدیث
۴۱-تذکرہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوری ۴۲-بزرگان رائے پور
۴۳-Rules of Raising Funds ۴۴-Beliefs and Pillars of Islam
۴۵- The Laws Pertaining to Imamat
۴۶- The Rights of Perents and children
۴۷- Guidelines for Sulook and Tareeqat
۴۸- Tasawwuf and tha Elders of Deoband
۴۹- Life Sketch of Hadhrat Thanwi
۵۰- A Biogrophy of the Noblest Nabi
۵۱- My Sheikh and Spiritual Guide
۵۲- Importance of Hijab in Islam

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)
Mob: 09719831058 - 09719639955

غور وفکر

بدن زخموں سے چور چور ہے

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے :

آج جب رات کو لیٹنے کے لئے بستر پر گیا تو بہت دیر تک نیند نہیں آئی، غیر محسوس بے چینی وبیقراری ساتھ نہیں چھوڑ رہی تھی، گزشتہ تین دنوں میں عالم اسلام میں پیش آنیوالے مختلف اندوہناک واقعات کے تصور ہی سے اپنے کمزور ایمان کے احساس کے باوجود دل ودماغ متاثر تھا، وہ کیا پریشان کن واقعات تھے جنھوں نے میری آنکھوں سے بہت دیر تک نیند کو کوسوں دور کر دیا تھا، آپ بھی سن لیجیے اور شریک غم ہو جایئے!

جب معمول کے مطابق کل میں نے فجر بعد تازہ عالمی وملکی خبریں دیکھنے کے لیے انٹرنیٹ کھولا تھا تو صرف سرخیاں پڑھ کر ہی دل بہت اداس ہو گیا تھا اور طبیعت بجھ سی گئی تھی، عالمی سطح پر صرف ایک دن میں تین سو کے قریب مسلمان لقمہ اجل بنے تھے، یمن میں حوثیوں کے میزائیل حملہ میں ستائیس معصوم اہل ایمان نشانہ بنے جن میں پندرہ بچے بھی شامل تھے، شام کی خانہ جنگی میں تازہ ترین واقعہ میں ڈیڑھ سو سے زائد شامی مسلمان شہید ہوئے، ادھر لیبیا میں طرابلس کے قریب عوامی بھیڑ میں بم دھماکہ سے ستر کے قریب بےقصور اہلِ اسلام ابدی نیند کی آغوش میں پہنچ گئے اور کابل میں طالبان اور سیکورٹی فورسز میں جھڑپ کے دوران سات پولس والے اور پچیس طالبان کام آئے۔

ایک صاحب ایمان کے حزن وملال کے لیے یہ المیہ کیا کم تھا کہ صرف چوبیس گھنٹہ میں عالمی سطح پر بغیر کسی جرم کے موت کی آغوش میں جانے والے سب کے سب ہمارے ملّی بھائی تھے، لیکن اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ تھی کہ ان سب کو شہید کرنے والے بھی خود ہمارے ایمانی بھائی ہی تھے، دوسرے الفاظ میں ظالم ومظلوم دونوں کا ہماری ہی ملت سے تعلق تھا، کسی تیسرے غیر مسلم بھائی نے ان کو نشانہ نہیں بنایا تھا، میں نے صبح اٹھ کر پچھلے ایک ہفتہ کی پرانی خبروں کو کھنگالا اور اس میں اس بات کو بہت تلاش کیا کہ شاید ماضی قریب میں غیر مسلم ملکوں میں بھی مسیحی، یہودی یا دوسرے مذہب والوں میں بھی اس طرح کی خانہ جنگی کے حادثات رونما ہوئے ہوں، اگر کوئی خبر اس طرح کی مل جاتی تو میرا غم شاید ہلکا ہوتا اور اُداسی کے بوجھ میں تخفیف ہوتی؛ لیکن تلاش بسیار کے بعد بھی کوئی خبر نظر سے نہیں گزری۔

دوسری خبر جس نے بے چینی میں اضافہ کیا وہ ایک عرب ملک سے آنے والی یہ خبر تھی کہ ان کے یوم الوطنی یعنی نیشنل ڈے کے جشن میں کرسمس کی طرح دنیا کا اب تک کا عالمی ریکارڈ توڑنے والا سب سے بڑا کیک کاٹا گیا اور رات بھر عوام کی طرف سے ہی نہیں بلکہ خود حکومت کی طرف سے سرکاری سطح پر وہ تاریخی آتش بازی ہوئی کہ شاید شیطان بھی شرما گیا اور اس پر اس قدر بے تحاشہ خرچ کیا گیا کہ اس کا تخمینہ ایک غریب افریقی ملک کے سالانہ بجٹ کا ایک چوتھائی حصہ بنتا تھا۔

تیسری المناک خبر یہ تھی کہ اقوامِ متحدہ کے بچوں سے متعلق ادارہ کی تازہ ترین رپورٹ کے مطابق دنیا میں موجود دس فیصد سے زائد بچے غذائی کمیت کا شکار ہیں، بالفاظ دیگر پانچ کروڑ سے زائد بچوں کو وقت پر کھانا نہیں ملتا اور وہ نانِ شبینہ کے محتاج بن کر جی رہے ہیں، بحیثیت انسان ہم سب کیلئے یہ کربناک خبر تھی ہی؛ لیکن بحیثیت مؤمن ومسلم المناک اس لیے تھی کہ اس فقر وفاقہ میں مبتلا بچے اکثر مسلم افریقی ممالک سے تعلق رکھتے تھے، یعنی ہماری ملت کا ہر دسواں بچہ اپنی جان

بچانے والے لقموں سے اب بھی محروم ہے، ایک طرف مسلم امت کی فضول خرچی اور اسراف وتبذیر کا وہ عالم جو اوپر بیان ہو چکا اور دوسری طرف ملت اسلامیہ میں غربت وفاقہ کشی کا یہ حال کہ شام میں مسلم مہاجرین کے کیمپس میں جان بچانے کے لیے دوسال قبل مردہ گوشت سے پیٹ کی آگ بجھائی گئی تھی۔

چوتھی اہم بات جس نے بے قراری اور بے کلی کو مزید بڑھا دیا تھا وہ بھی سنیے، کل عصر بعد جب معمول کے مطابق دفتر گیا تو ڈاک ٹیبل پر رکھی ہوئی تھی، اس میں درجنوں رسائل ومجلّات کے ساتھ ایک دعوتی وعلمی ادارہ کا خصوصی نمبر بھی تھا، جس کا عنوان تھا ”مسلم امت کو درپیش مسائل وچیلنجز اور اس کا حل“ کئی سوصفحات پر مشتمل یہ شمارہ تھا، اس تاریخی دستاویز میں موجود ملت کے قائدین اور ارباب فکر کے مضامین نہ صرف دیکھنے بلکہ سطر سطر پڑھنے سے تعلق رکھتے تھے، مسلمانوں کے اکثر سیاسی، سماجی، تعلیمی اور داخلی وخارجی مسائل کا اس میں احاطہ کیا گیا تھا اور اس پر سیر حاصل بحث کی گئی تھی اور ان مسائل سے نپٹنے کا معقول حل بھی تجویز کیا گیا تھا، لیکن میرے لیے تشویشناک پہلو یہ تھا کہ اس خصوصی شمارہ میں امتِ مسلمہ کو اس وقت درپیش سب سے اہم چیلنج اور المیہ یعنی نئی نسل میں بڑھتے ارتداد کا دور دور تک ذکر نہیں تھا، مستقل موضوع بنا کر نہ کوئی مضمون تھا، نہ کسی عالم دین یا قائدِ ملت کا انٹرویو، کسی صاحب قلم کے مضمون میں بھی دور دور تک ضمناً بھی اس کا اشارہ نہیں تھا جب کہ گزشتہ صرف چند مہینوں میں امت کا یہ سب سے سلگتا مسئلہ تھا، ابھی عیدالاضحیٰ کے بعد دو ماہ میں میں نے پنجاب سے کشمیر، ہریانہ، اتر پردیش، مدھیہ پردیش، مہاراشٹرا اور گوا تک مختلف صوبوں کے درجنوں شہروں کا اسی مقصد کے تحت دورہ کیا، دہلی، چندی گڑھ، سری نگر، لکھنؤ، بھوپال، ممبئی، رتنا گیری، میسور، بنگلور، حیدرآباد، محبوب نگر، مراد آباد، ہلدوانی، رامپور، بجنور اور سونی پت وغیرہ درجنوں شہروں میں دعوتی مقصد کے تحت جانے کا موقع ملا، اس دوران ہر جگہ ہماری بچیوں اور بچوں کے اسلام کو خیر باد کہہ کر کفر وشرک کے دلدل میں جانے کے جو ہولناک واقعات سننے کو ملے وہ رات کی نینداڑا دینے کے لیے کافی تھے؛ لیکن افسوس اکثر جگہوں پر مقامی دیندار طبقہ کو بھی دیکھا کہ وہ اب بھی بالعموم اس مسئلہ کی ہولناکی کو سمجھنے سے کوسوں دور تھے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے پاس جب ایک شخص نے آکر بتایا کہ فلاں شہر سے ارتداد کی خبریں سننے میں آرہی ہیں تو آپ بے چین وبے قرار ہوگئے، اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اس جگہ جا کر مسئلہ کی تحقیق کی، اس کے بعد بھی کئی دنوں تک حضرت مولانا پر اس کا اثر رہا، فرماتے رہے کہ اس خبر کو جب بھی میں سوچتا ہوں تو دسترخوان پر مجھ سے کھانا نہیں کھایا جاتا اور بھوک اڑ جاتی ہے، رات کو جب بستر پر لیٹتا ہوں تو نیند نہیں آتی۔

تشویشناک پہلو:

امت دعوت ہونے کی حیثیت سے ان واقعات پر نگاہ دوڑانے اور نگاہ بصارت کے بجائے نگاہِ بصیرت سے اس کو دیکھنے، سننے اور مستقبل میں اس بڑھتے طوفان کی خطرناکی کو محسوس کرتے ہوئے ہمارا تشویش میں مبتلا ہونا فطری بات ہے؛ لیکن ان خبروں کا تشویشناک پہلو یہ ہے کہ پانی سر سے اونچا ہونے کے باوجود عوام ہی نہیں بلکہ خواص کی ایک بڑی تعداد بھی اب تک اس المیہ کی سنگینی وخطرناکی کو سمجھنے سے بہت دور نظر آرہی ہے، نہ ہمارے ملکی وبین الاقوامی مسلم اداروں حتی کہ دعوتی وتحریکی جماعتوں اور انجمنوں میں اس کو مستقل موضوع بنا کر تبادلۂ خیال کیا جارہا ہے اور نہ اس کو اس وقت پورے ملت کا سب سے بڑا چیلنج مان کر اس کے مقابلے کی کوشش کی جارہی ہے، آج ہمارے کمزور ایمان کا یہ حال ہوگیا ہے کہ پے در پے اس طرح کے واقعات کو سننے کے باوجود ہم میں سے اکثریت کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی۔

یاد آگئی مفکر اسلامؒ کی نگاہِ بصیرت کی:

مخدوم گرامی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ظاہری اعتبار سے اپنی ایک آنکھ سے محروم تھے، دوسری آنکھ بھی کمزور تھی؛ لیکن نصف بصارت سے محرومی کے باوجود ان کی نگاہِ بصیرت کا اس پورے برصغیر ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کی گزشتہ سوسالہ تاریخ میں جواب نہیں تھا،

ان کی عالم عرب اور عالم اسلام کے تعلق سے پچاس سال پہلے کی گئی متعدد پیشین گوئیاں آج حقیقت بن کر سامنے آ رہی ہیں، مولانا نے بہت پہلے اس ارتدادی طوفان کا بھی اندازہ لگالیا تھا، بالعموم ان کے دعوتی دوروں اور جلسوں میں گفتگو کا محور یہی فکری ارتداد کا موضوع ہوتا، اس وقت دردِل سے کہی گئی مولانا کی وہ باتیں آج بھی پڑھنے والوں کو رلا دیتی ہیں، حضرت مولانا کی ملت کے اس المیہ کے تعلق سے فکرمندی کا میں خود ایک عینی شاہد ہوں، مولانا آخری سفر سے تین سفر پہلے مغربی ساحل پر واقع تاریخی شہر بھٹکل تشریف لائے تھے جس کو وہ اپنا وطن ثانی اور اسکے جامعہ کو ندوہ ثانی کہتے تھے، منگلور کے ایک اخبار (Mesco) کے ایڈیٹر نے ان سے جامعہ کے مہمان خانہ میں انٹرویو لیا، میں خود حضرت مولانا کے ساتھ اس کمرہ میں موجود تھا، اس نے پوچھا سر! بتایئے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس وقت کئی طرح کے مسائل درپیش ہیں، بابری مسجد کا مسئلہ، شاہ بانو کا قضیہ اور پارلیمنٹ میں طلاق بل، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کا مسئلہ، فسادات میں بے گناہ مسلمانوں کی گرفتاری کا مسئلہ، مسلم نونہالوں میں تعلیمی تناسب کی کمی کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ، ان میں آپ کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا: میرے نزدیک یہ سب وقتی مسائل ہیں جو وقت کیساتھ ان شاءاللہ حل ہوتے جائیں گے؛ لیکن برصغیر کے مسلمانوں کا اس وقت میرے نزدیک سب سے اہم ترین مسئلہ جس کو وہ خود مسئلہ نہیں سمجھ رہے ہیں اور اس کی سنگینی وہولناکی کا خود ان کو اندازہ نہیں ہے وہ نئی نسل میں بڑھتے فکری ارتداد کا ہے، میری گنہ گار آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اگر اس کی نزاکت کا امت کو احساس نہیں ہوا تو یہ تہذیبی وفکری ارتداد امت کو اندر سے کھوکھلا کر کے رکھ دے گا اور اس ملک میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کچھ دنوں کے بعد نام کی مسلمان رہ جائے گی اور غیر شعوری طور پر وہ بتدریج ایمان وتوحید کی نعمت سے محروم ہوتی جائے گی۔

مفکر اسلامؒ کی دوررس نگاہوں نے نصف صدی قبل جس طوفان کی پیشین گوئی کی تھی آج وہ حقیقت واقعہ بن کر سامنے آ گئی ہے، نئے نظام تعلیم ونصابِ تعلیم نے امت کے ایک بڑے تعلیم یافتہ طبقہ کو اسلام پر اعتماد کی کمی سے دوچار کر دیا ہے اور غیر محسوس طریقہ سے وہ اسلام سے نکل رہے ہیں جس کا احساس نہ خود ان کو ہے اور نہ ان کے والدین و سرپرستوں کو، صبح کو ہمارے بچے گھروں سے ایمان کے ساتھ جاتے ہیں لیکن اپنے مشنری وغیر مسلم اسکولوں کی صبح کی اسمبلی اور دعاؤں میں ایسے جملے دہراتے ہیں کہ اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا خود فرمان ہے کہ اس کی شان میں ان نازیبا کلمات کے اظہار پر اگر آسمان پھٹ جائے اور زمین شق ہوجائے تب بھی بعید نہ سمجھو؛ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ اللہ کا بیٹا کہنے والا جملہ اسکولوں میں دہرانا والدین کے نزدیک اب شرک نہیں رہا؛ بلکہ نصابِ تعلیم کی ضرورت اور اس کا ناگزیر حصہ بن گیا ہے، اس پورے پس منظر میں صبح کو ایمان کے ساتھ جا کر بچہ شام کو شرک کے ساتھ لوٹتا ہے؛ لیکن والدین کے کانوں میں جوں تک بھی نہیں رینگتی، اب وہ حدیث پورے مالہ وماعلیہ کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ قربِ قیامت کی علامت ایک یہ بھی ہے کہ لوگ صبح کو مسلمان ہوں گے اور شام کو کافر اور شام کو کافر تو صبح کو مسلمان، ملت کے موجودہ ناگفتہ بہ حالات میں اس حدیث کے مفہوم کو سمجھنا اس وقت جتنا آسان ہے شاید پہلے کبھی نہیں تھا۔

سب سے زیادہ گھبراھٹ والا پھلو:

اس دعوتی تجزیہ میں تشویش کو بڑھانے والا اور سب سے زیادہ گھبراہٹ والا ایک اور پہلو یہ ہے کہ کل تک بے دین اور اسلام سے دور گھرانوں کے تعلق سے الحاد وارتداد کے واقعات سننے کو ملتے تھے لیکن آج ارتداد کے پیش آمدہ بعض ان واقعات کا تعلق خود ہمارے دیندار گھرانوں اور خاندانوں سے ہے، ماضی قریب وبعید میں بے حیائی اور اخلاق سوزی کے زیادہ تر واقعات ان گھرانوں میں ہوتے تھے جن کا خاندانی ماحول اچھا نہیں ہوتا تھا یا جن کے والدین یا گھر

والے اچھے دینی پس منظر کے حامل نہیں ہوتے تھے؛ لیکن افسوس جدید وسائل اور ذرائع ابلاغ نے گھروں میں بند رہنے اور نماز، روزوں کی پابندی کے باوجود ہمارے بچے اور بچیوں کو تیزی کے ساتھ غیر محسوس طریقہ پر اخلاق وایمان سے دور کردیا ہے، اب کوئی آخری درجہ کا دیندار شخص بھی اپنی اولاد کے تعلق سے مطمئن ہوکر نہیں بیٹھ سکتا کہ میرے گھر میں بے دینی نہیں آئے گی یا میرے لختِ جگر بھی تادم حیات ایمان واسلام پر رہیں گے، کسی زمانہ میں محمد علی چھاگلہ اور حمید دلوائی جیسے لوگ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے؛ لیکن آج ظاہری دینداری اور اس کے بڑھتے مظاہر کے باوجود گھر واپسی کے روز واقعات خود ہمارے گردوپیش میں پیش آرہے ہیں، اس کا ثبوت یہ ہے کہ دس پندرہ سال پہلے تک مسلم پرسنل لاء کے تعلق سے عدالتوں میں رٹ داخل کرنے والے اور مقدمہ دائر کرنیوالے غیر مسلم ہوا کرتے تھے؛ لیکن افسوس ادھر چند سالوں سے مسلم پرسنل لا بورڈ اور جمعیۃ العلماء کی طرف سے جو مقدمات کو کروڑوں روپئے خرچ کرکے ملت کی طرف سے لڑے جارہے ہیں اس میں اکثر فریق مخالف خود ہماری مسلم خواتین اور تعلیم یافتہ اہل ایمان ہی ہیں۔

منہ اپنا چھپاتے تھے کاشی کے صنم خانے:

کہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے حکم پر جزیرۃ العرب کو کفر وشرک سے پاک کرنے کی فکر نے یہ حکم سنانے پر مجبور کردیا کہ جزیرۃ العرب میں آج سے شرک کا شائبہ بھی نہیں ہونا چاہیے، اس لیے شرکیہ مظاہر سے بچنے کیلئے اہل شرک وکفر کو جزیرۃ العرب سے دور رکھو، جس پاک زمین پر کل تک شرک گوارا نہیں تھا، آج نہ صرف اسی مقدس زمین پر آزادی سے شرک وکفر کی اجازت ہے؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر خود ہمارے عرب بھائیوں میں جو اس روئے زمین پر توحید کے علمبردار اور اپنی ہزاروں کمیوں وکمزوریوں کے باوجود کل تک اپنی اسی ایمانی امتیازی شان کیلئے شہرت رکھتے تھے، کھلم کھلا ان میں بھی شرک سرایت ہوتا نظر آرہا ہے، ابھی کچھ دن پہلے ایک عرب ملک میں واقع ایک مندر میں علی الاعلان ہمارے عرب بھائیوں کو عربی لباس میں سر پر رومال کے ساتھ بت پرستی اور اس کے متعلق شرکیہ کاموں کو کرتے ہوئے دیکھا گیا اور پوری دنیا میں یہ ویڈیو وائرل ہوا، ایک اس وقت کو یاد کیجئے، جب ایک عرب حکمراں ہندوستان کے دورے پر تھے، ان کو بنارس میں ان علاقوں سے گزرنا تھا جہاں سرِ راہ مجسمے نصب کئے ہوئے تھے، ہندوستانی سرکار کی طرف سے اس عرب حکمراں کو ان کے توحیدی مزاج کے پیش نظر شرک کے سایہ سے بھی دور رکھنے کیلئے ان مجسموں کو کپڑوں سے ڈھانک دیا گیا تھا، جسے دیکھ کر نذیر بنارسی نے کہا تھا:

ادنیٰ سا غلام ان کا گزرا تھا بنارس سے
منہ اپنا چھپاتے تھے کاشی کے صنم خانے

لیکن افسوس! آج ان ہی عرب ملکوں میں نہ صرف شرک وکفر گوارا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کے ساتھ خود اس میں اپنی شرکت سے بھی ان کو عار محسوس نہیں ہورہا ہے، اہل ایمان اور اہلِ تقوی وباحمیت مسلمانوں کے لیے ان کی سرزمین تنگ ہے لیکن اسلام دشمنوں کے لیے نہ صرف کھلی ہوئی بلکہ وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی ہے اور اللہ کے نیک بندوں کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بننے میں اسلام دشمنوں کی ان کی طرف سے نہ صرف حوصلہ افزائی بلکہ مدد بھی کی جارہی ہے۔

اس وقت امت کا پورا بدن زخموں سے چور چور ہے، مسائل کا انبار ہے، ہر دن ایک نیا قضیہ سر اٹھا رہا ہے، ہر دوسرا دن ہماری شامت اعمال کی وجہ سے پہلے دن سے خراب بن کر سامنے آرہا ہے، اوپر بیان کیے گئے ان تمام ناگفتہ والمناک مسائل وچیلنجز میں سے ہر مسئلہ اور ہر قضیہ ایسا تھا کہ عالمی وملکی سطح پر مسلم تنظیموں واداروں کے پلیٹ فارم سے مستقل اس پر غور کیا جاتا اور اس کا حل تلاش کیا جاتا، اس میں فکری ارتداد والحاد کے بڑھتے سیلاب کا مسئلہ خود اتنا اہم تھا کہ تمام تحریکات وتنظیمات اور ادارے اپنے تمام رفاہی، علمی وتحقیقی اور اصلاحی کاموں کو کچھ دنوں کیلئے موقوف کردیتے اور سب ملکر صرف اسی ایک اہم ترین مسئلہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کرتے تب بھی کوئی بڑی بات نہیں تھی، ہنگامی حالات میں جس طرح جنگی پیمانہ پر کام کیا جاتا ہے اس المیہ کی

روک تھام کیلئے بھی اسی طرح کام کیا جانا چاہیے تھا؛ لیکن افسوس کہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر ملت کو درپیش اس اہم چیلنج کا مقابلہ تو دور کی بات اس کو کوئی مسئلہ بھی نہیں سمجھا جارہا ہے، نہ عالم اسلام میں اس سلگتے موضوع پر کسی سیمینار کی خبر ہے اور نہ اس کے تدارک کیلئے کسی اہم میٹنگ و پیش رفت کی اطلاع، البتہ کہیں کہیں محدود پیمانہ پر کچھ فکریں ہورہی ہیں اور چند مضامین مجلّات ورسائل میں نظر سے ضرور گزر رہے ہیں اور اس کے ازالہ کیلئے ٹھوس عملی تجاویز بھی پیش کی جارہی ہیں؛ لیکن مسئلہ کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے یہ بہت کم درجہ کی کوششیں اور جدو جہد ہے۔

ایک غیر مسلم کا تجزیہ یاد آگیا:

ارتداد کے اس اہم مسئلہ میں ہماری گفتگو کا محور ہماری تحریروں وتقریروں میں بالعموم ہماری یہ بچیاں اور بچے ہی ہوتے ہیں اور ان ہی کو نشانہ بنا کر بات کی جاتی ہے کہ ان کی اپنی کوتاہی اور دین واسلام سے دوری کی وجہ سے ان کو یہ دن دیکھنے کو مل رہے ہیں۔

ہمارے نزدیک ارتداد میں جانیوالے ان بچوں سے زیادہ ان کے والدین وسرپرست اس کے ذمہ دار ہیں، اگر بچپن سے انھوں نے اپنے جگر گوشوں کی دینی بنیادوں پر صحیح تربیت کی ہوتی اور ان کو بنیادی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کا اپنا فریضہ انجام دیا ہوتا تو شاید یہ دن دیکھنے کو نہ ملتے، مجھے اس موقع پر ماضی قریب میں ایک غیر مسلم تجزیہ نگار کا وہ مضمون یاد آگیا جس کو اس نے دہلی میں دن دہاڑے چلتی بس پر کچھ بچیوں کے ساتھ منھ کالا کرنے کے درد بھرے واقعہ کے پس منظر میں لکھا تھا، اس نے لکھا تھا کہ یہ درندہ صفت نوجوان جنھوں نے سرِ راہ یہ حرکت کی اور ان کو سزا ملی تو میرے نزدیک ان مجرم نوجوانوں سے زیادہ ان کے ہاتھوں شکار ہونے والی بچیوں کے والدین ذمہ دار تھے، اس لیے کہ اگر وہ اپنی بیٹیوں کو دعوتِ نظارہ دینے والے بے حیا لباس پہنا کر گھر سے باہر نہ بھیجتے تو ان نوجوانوں کی بچیوں کی طرف نگاہیں ہی نہ اٹھتیں، بھوکے بھیڑیے کے سامنے جب تازہ گوشت رکھا جائے تو اس سے یہ امید کرنا بے جا ہے کہ وہ اس سے اپنی بھوک نہیں مٹائے گا، اسی طرح جوانی کے جذبات میں آوارہ گردی والوں سے ان بے حیا طالبات کی طرف نگاہ نہ اٹھا کر دیکھنے کی توقع کرنا اور اس کے بعد کے غلط مراحل میں داخل نہ ہونے کی ان سے امید رکھنا ہی فضول ہے۔

اس تجزیہ کی روشنی میں جو درحقیقت قرآنی ونبوی تجزیہ ہے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہماری یہ بچیاں جو فتنۂ ارتداد کا شکار ہوکر اسلام کو خیر باد کہہ کر شرک وکفر کے دلدل میں جا پھنسی ہیں اور لومیرج کے نام سے غیر مسلم دوستوں سے عشق میں مبتلا ہوکر ایمان جیسی عظیم دولت سے محروم ہوچکی ہیں ان کے اپنے قصور سے زیادہ ان کے والدین کا بھی قصور ہے جنھوں نے معیاری تعلیم کے شوق میں ان کو ایسی تعلیم گاہوں میں بھیجا تھا جہاں مخلوط تعلیم ہے، جہاں مرد وزن کا فرق ختم ہوجاتا ہے اور جہاں جاکر وہ آزادانہ حیا سوز ماحول میں نہ چاہنے کے باوجود برائی پر آمادہ ہوجاتے ہیں، اسی طرح اس ایمان سوزی کے لیے محرک بننے والے ایک اور دوسرے سبب کے بھی ہم ہی ذمہ دار ہیں، اپنے بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی ان کو تعلیم میں ترقی کے منازل طے کرانے کے نام پر انٹرنیٹ، سوشل میڈیا، واٹس ایپ، یوٹیوب، فیس بک، ٹویٹر وغیرہ تک رسائی کی ہماری طرف سے نہ صرف اجازت دی جاتی ہے بلکہ حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور اس کو اپنی روشن خیالی اور اس طرح کی سہولت نہ دینے والے سرپرستوں کو انتہا پسند، شدت پسند اور تنگ نظر سمجھا جاتا ہے۔

قصور ان دونوں سے بڑھ کر کچھ ہمارا بھی ہے:

قرآن وحدیث میں معاشرے میں پنپنے والے مخربِ اخلاق جرائم پر حکمت کے ساتھ نہی عن المنکر کے جو طریقے واصول بیان کیے گئے ہیں ان پر غور کرنے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان بچیوں وبچوں اور ان کے سرپرستوں کی طرح قصور کچھ ہمارے دعوتی ودینی طبقہ کا بھی ہے، جب ہمیں معلوم تھا کہ ہمارے محلّہ، گلی، پڑوس یا خاندان میں اس طرح کے حیا سوز اور اخلاق سوز واقعات پیش آرہے

ہیں تو ان بچوں کو اپنے بچے سمجھ کر ہمارا فرض بنتا تھا کہ ابتدائی مرحلہ میں ہی ہم ان کے پاس جاتے، ان کو ان کے متعلقین اور سرپرستوں کو سمجھاتے، فرداً فرداً ان سے ملاقات کرتے اور ممکنہ حد تک ان کو کفر وشرک کے دلدل میں پھنسنے سے روکنے کی کوشش کرتے؛ لیکن ہم نے طوفان کے پیشگی آثار کے باوجود اس کی روک تھام کی کوشش نہیں کی اور اس سلسلہ میں اپنا عالمانہ وداعیانہ فرض ادا نہیں کیا، اگر ادا بھی کیا تو زیادہ سے زیادہ کسی مسجد میں یا محلّہ میں یا مجمع عام میں اجمالاً اس مسئلہ پر اظہارِ خیال کیا، اس قضیہ کی مذمت کی، اس کی شناعت پر کچھ دیر تقریر یا گفتگو کی اور سمجھ لیا کہ ہم نے اپنا دینی فریضہ ادا کر دیا، جب کہ حکمت کے ساتھ دعوت اور نہی عن المنکر کا مطلب صرف یہی نہیں تھا بلکہ ہمیں جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے ہر وہ طریقہ ان معصوم نونہالوں ونوجوانوں کو سمجھانے کے لیے اختیار کرنا چاہیے تھا جس کی ہمیں شریعت میں اجازت تھی اور ان بچوں کی بے حیائی کی آخری حد کو پار کرنے کے باوجود کم از کم ان کے ایمان کو آخری درجہ میں بچانے کی فکر کرنی چاہیے تھی، ہمارے اس نکتہ کی وضاحت ذیل کے اس کامیاب دعوتی تجربہ سے ہوسکتی ہے۔

کچھ دنوں پہلے ممبئی میں اس مسئلہ پر غور وخوض کے لیے علماء وفکرمند ساتھیوں کی ایک نشست تھی جس میں ہم لوگ بھی حاضر تھے، اس میں I.T.I سے وابستہ کچھ نوجوانوں نے بتایا کہ ارتداد کے واقعات سے ہم لوگ بھی بحیثیت مسلمان تشویش میں مبتلا تھے؛ لیکن یہ کہہ کر کہ اب معاملہ ہاتھ سے نکل گیا ہے، ہم مایوس اور خاموش نہیں ہوئے اور آخری امکانی صورت کو اپناتے ہوئے جس سے ایمان میں ان بچوں کی واپسی کی کچھ رمق باقی تھی کوششوں میں لگے رہے، رجسٹرار آفیس میں تبدیلی مذہب کی تفصیلات اب آن لائن دستیاب رہتی ہیں، ہرجگہ مذہب بدلنے والوں کا لازمی طور پر اس میں اندراج ہوتا ہے، سب سے پہلے آن لائن ان تفصیلات کو حاصل کرتے ہوئے ان بچوں کے والدین سے ملاقات کرکے یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ آپ اپنے ان بچوں کو طعنہ دے کر گھر سے نکال کر ان کا بائیکاٹ نہ کریں اور ان سے بات چیت بند کر کے ایمان میں ان کی واپسی کا دروازہ بند نہ کریں، الحمدللہ ان کی نیتوں کے مطابق ان میں سے بعض بچوں کو گھر واپس لانے میں ان نوجوانوں کو تھوڑی بہت کامیابی بھی ملی؛ لیکن اس سے زیادہ کامیابی ان کو اس وقت ملی جب ان بچیوں اور بچوں کے ذریعے خود ان غیر مسلم دولہا ودلہنوں سے براہِ راست ملاقات کر کے اسلام کی تعلیمات سے ان کو روشناس کرا کے اسلام کی دعوت دی گئی اور ان کا ذہن بنا کر الحمدللہ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا گیا اور پھر تجدید نکاح کے ساتھ ان کو بھی اسلام پر باقی رکھنے میں الحمدللہ وہ کامیاب ہوئے۔

ان نوجوانوں کے پاس یہ آخری حربہ تھا کہ کم از کم ارتداد میں جانے والے ان کی اس حکمتِ عملی سے الحمدللہ نہ صرف خود اسلام کی طرف لوٹے بلکہ ان کی مشرک بیویوں اور شوہروں کو بھی حلقہ بگوشِ اسلام کرنے کا ان کا مخلصانہ مشن پائے تکمیل کو پہنچا، مذکورہ بالا حکمتِ عملی کی روشنی میں ہمیں بھی اب ردِعمل کے طریقہ کار سے ہٹ کر دعوتی میدان میں کام کرنے کی ضرورت ہے، ان معصوم نونہالوں کو ارتداد والحاد کا طعنہ دے کر گھر سے نکال باہر کرنے یا معاشرہ سے الگ تھلگ کرنے سے اس بڑھتے سیلاب کو روکا نہیں جاسکتا، جو دائرہ اسلام سے نکل چکے ہیں ایک طرف اب ان کو واپس لانے کی مخلصانہ وہمدردانہ فکریں وکوششیں ہوں اور دوسری طرف جو ارتداد کے کنارے واقع ہیں اس دلدل میں ان کو گرنے سے بچانے کی تدبیریں کی جائیں اور الحمدللہ اب تک جو محفوظ ہیں حفظ ما تقدم کے طور پر ان کو ایمان پر باقی رکھنے کی منصوبہ بندی کی جائے۔

Files\A027.TIF not found.

حب الوطنی

قومی جھنڈا اور جشن جمہوریت

الحاج منشی عبدالغفور ناظم مدرسہ انوارالقرآن نعمت پور، سہارنپور

اپنا ملک:

بھارت کا قومی اور ملکی مستطیل ترنگا پرچم ہے، جس کے طول وعرض کا تناسب 2×3 ہے، یہ زعفرانی سفید اور سبز رنگوں کی تین پٹیوں پر مشتمل ہے، درمیانی سفید حصہ میں نیلے رنگ کا اشوک چکر ہے، اس چکر میں ۲۴ رتیلیاں ہیں، جوصحت مند معاشرے کیلئے چوبیس اصولوں کی نمائندگی اور ملکی رفتارِ ترقی کوظاہر کرتا ہے، سب سے اوپر کیسری رنگ ہے، جو ہمت وحوصلہ، ایثار وقربانی اور جرأت ودلیری کی علامت ہے، درمیان میں سفید رنگ، امن و امان، سکون وشانتی اور علم وصداقت کی نشانی ہے، نیچے ہرا رنگ عقیدت و مؤدت تعمیر وترقی اور خوشحالی کی نشاندہی کرتا ہے، یہ وہ علامتیں ہیں جو ہماری قومی یگانگت کی ضمانت کو ظاہر کرتی ہیں، (سبز رنگ آنکھ کی بینائی کے لیے بھی نفع بخش ہے) جھنڈے کا یہ ڈیزائن پارلیمنٹ (Parliament) سے ۲۲ رجولائی ۱۹۴۷ء کو منظور کیا تھا، اِس کی تخلیق کار اور Desi Gner ثریا طیب جی ہیں: ؎

ہر ہندوستانی کی شان ہے ❁ ترنگا ہماری آن ہے
پربتوں کی چوٹیوں پر آن سے ❁ لہلہائے یہ ترنگا شان سے

اِس کا پیغام یہ ہے کہ مُلک غلام نہیں آزاد ہے، اچھی خواہشات اور نیک تمناؤں کی نمائندگی کرتا ہے، سب بھارت کے باشندے ہمیشہ ایثار وقربانی اور بہادری سے اپنے وطن کی حفاظت کرتے رہیں گے، امن وعافیت، خلوص وآشتی اور سچائی کے دامن کو تھامے رہیں گے، نیز اس بات کی کوشش کرتے رہیں گے کہ ہمارا ملک دن دونی رات چوگنی ہر نوع کی ترقیات کرتا رہے، ہمارا یہ ترنگا جھنڈا ہماری قومی آزادی خودمختاری اور اتحادِ باہمی کا نشان ہے، یہ ہمالیہ سے لے کر کنیا کماری تک پنجاب سے لیکر آسام کی پہاڑیوں تک ہر ہندوستانی کے دل میں وطن کی محبت اور اتحاد کا جذبہ قائم رکھتا ہے اور ہماری آپسی بھائی چارگی یکجہتی رواداری کو مضبوط سے مضبوط تر بناتا ہے، ہمارا یہ سہ رنگا علم پہلے آج کی طرح کا نہیں تھا اس کے رنگوں اور حجم میں خاص فرق تھا، پہلے پرچم میں اوپر زعفرانی نیچے سبز اور درمیان میں سفید پٹی پر نیلے رنگ کے چرخے کی تصویر نمایاں تھی، البتہ آزادی کے بعد بالمشورہ مجاہدین آزادی تھوڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ چرخہ کی جگہ پر سمراٹ اشوک کے چکر کو درمیانی سفید پٹی پر نیلے رنگ میں لگایا گیا جو ملک وقوم کی رفتارِ ترقی کی علامت ہے، ۱۵ر اگست اور ۲۶ رجنوری کو ہر سال پرچم کُشائی کی تقریبات میں سبھی وطنی بھائیوں کی شرکت اسی جذبۂ حب الوطنی کا اعادہ اور آزادی کے متوالوں کی قربانیوں کی یاد تازہ کرنے کیلئے ہوتی ہے، جس پر ہر ہندوستانی کا دل مسرت سے سرشار ہوتا ہے، بھارت کے ہر باشندہ کیلئے ترنگے جھنڈے کا احترام لازم ہے، اس کے لہرانے کے بھی آداب ہیں:

(۱) جھنڈا بالکل سیدھا رہنا چاہئے چونکہ جھنڈے کے ڈنڈے یا خود جھنڈے کا جھکاؤ قومی سوگ ظاہر کرتا ہے، میلا کچیلا یا کہیں سے پھٹا ہوا نہ ہو، رات میں نہیں دن کی کھلی فضا میں ممتاز اور بلند جگہ پر لہرایا جائے۔

(۲) اگر کئی جھنڈے ایک ساتھ لگانے یا ساتھ ساتھ لے جانے ہوں تو قومی پرچم داہنے ہاتھ میں سب سے دائیں طرف اور سب سے اونچا رکھا جائے (جھنڈا- رایت- دھوجا- پھریرا- پرچم- علم جمع اعلام- فلیگ، بینر، پتا کا وغیرہ جھنڈے ہی کے نام ہیں) ترنگے جھنڈے کو اُلٹا لٹکانا سجاوٹ یا کاروباری مقصد کے لئے استعمال کرنا، کسی بھی طرح سے اس کی بے حرمتی کرنا قانوناً جرم ہے، ناقابلِ استعمال پرچم کو پھینکا یا جلایا نہ جائے؛ بلکہ احترام ووقار کے ساتھ دفن کردیا جائے۔

جشنِ جمہوریت:

روزِ سعید آیا چھبیس جنوری ❁ دورِ جدید لایا بھارت کی برتری کا
آج ہم اس خوشی کے موقع پر ❁ سب سے ہمدردیاں جتائیں گے
آج بھی ہند کے جوانوں میں ❁ ویر عبدالحمید پائیں گے

قومی تیوهار:

۲۶/جنوری ۱۹۵۰ءآزاد ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم دن ہے یہ وہ دن ہے، جب ہمارا خودساختہ جمہوری آئین ملک میں نافذ ہوا یہ ایک طرح سے ہماری تحریک آزادی کی تکمیل کا دن تھا، ۱۵/اگست کو ہمیں غیر ملکی تسلط سے چھٹکارا ملا، ۲۶/جنوری کو ہمارے اپنے خود ساختہ آئین نے بلا امتیاز مذہب ومسلک ملک کے ہر شہری کو رہن سہن، فکر وعمل اورتحریر وتقریر کی مکمل آزادی کی ضمانت دی اور زیر دستوں کو زبردستوں کے جبر واستبداد سے نجات کی نئی راہ دکھائی:

آزاد ہو گئے ہیں اَغیار کے ستم سے
جیتے ہیں ہندو مسلم عیسائی سکھ بھرم سے

اسی ماہ جنوری میں ۱۲/جنوری نیشنل ڈے، قومی دن ۲۵/جنوری، آرمی ڈے، فوجی دن ۳۰/جنوری یوم شہیداں بھی منائے جاتے ہیں۔

جُمهوریت:

وہ نظام حکومت جس میں بادشاہ کی جگہ عوام کے منتخب نمائندوں کی اکثریت رکھنے والی سیاسی جماعت چلاتی ہے اورعوام کے سامنے جواب وہ ہوتی ہے، المختصرعوام کی حکومت عوام سےعوام کے لیے، جمہوری حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ مفادِعامہ کا کما حقہ خیال رکھے، انفرادی یا پارٹی کے مفاد پرملکی اورقومی مفادکوترجیح دے، جمہوریت کے چار بنیادی اُصول ہیں:

(۱)اِنصاف (۲)مساوات
(۳)آزادی (۴)بھائی چارگی اور برادرانہ سلوک۔

آزاد بھارت کا دَستوُرُ العمل آنجہانی ڈاکٹر امبیڈکر کی سربراہی میں دو سال گیارہ ماہ اوراٹھارہ دن میں تیار ہوا تھا، جس کا لب لُباب یہ ہے کہ:

سبھی قوموں کو رہنا ہے یہاں یہ دیش ہے سب کا
کوئی لڑنے نہ پائے نام لے کر دین ومذہب کا

قومی ترانه:

بھارت کا قومی اورملکی ترانہ ''جن گن من اِدھنا یک'' کو قومی گیت کا درجہ ۲۴/جنوری ۱۹۵۰ء کو ملا، اس کے تخلیق کار گرودیو رویندر ناتھ ٹیگور (۱۸۶۱-۱۹۴۱) بھارت کے مایۂ ناز مفکر، مدبر، دانشور، فن کار، مجتہد، صاحبِ فکرونظر اورعہد ساز بنگالی زبان کے بے مثل افسانہ نگار، ناول نویس، ڈرامہ نگار اورعظیم شاعر تو تھے ہی آپ انسانیت نواز انسان بھی تھے، المختصر یہ کہ آپ اپنی ذات میں خود ایک انجمن ایک ادارہ، ایک تاریخ اور ایک تحریک بھی تھے، شاعرِ مشرق علاّمہ اقبال نے بھی آپ کو عندلیب، بُلبلِ ادب کہا تھا، برصغیر میں سب سے پہلے ۱۹۱۳ء میں نوبل (Noble) انعام آپ کو ہی ملا تھا اور ۱۹۱۴ء میں اُس وقت کی برطانوی حکومت نے سر کا خطاب دیا برطانوی حکومت کی استعماریت کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے آپ نے ۱۹۱۵ء میں یہ خطاب واپس کر دیا تھا، آپ کا ماننا تھا کہ عوام کو اعزاز وایوارڈس کی نہیں اَمن وسُکون کی زیادہ ضرورت ہے، آپ ملک وقوم کے سچے بہی خواہ جمہوری قدروں کے بے حد دلدادہ اور کامل ہنرمند تھے آپ کے اِس گان میں پانچ شعر ہیں، جو باون سیکنڈ میں گائے جاتے ہیں، جب یہ ترانہ پڑھا جائے تو اس کا بہ احترام سننا ہر ہندوستانی پر لازم ہے:

اعلیٰ اس کا مرتبہ ہے اعلیٰ اس کی شان ہے
کتنا سندر دیش ہے اپنا ہندوستان

قومی نشانات:

قومی زبان: ناگری، ہندی۔ قومی جھنڈا: ترنگا۔
قومی ترانہ: جن گن من ادھنا یک۔ قومی کھیل: ہاکی۔
قومی چوپایہ: شیر۔ قومی پھول: کنول، کمل۔ قومی پھل: آم۔
قومی پرندہ: مور۔ قومی راجدھانی: دہلی۔

قومی پرندہ ہونے کا اعزاز ملنے پر مور بطور شکریہ اورفخر یہ کہتا ہے:

قومی پنچھی کا مجھے درجہ دیا ہے شان سے
میں ممنون ہوں بھارت کا دَھرم ایمان سے

قومی نشان چار شیروں کی تصویر جو سرکاری کاغذات اورسکوں پر ہوتی ہے، قومی درخت: برگد، قومی کیلنڈر ساکا ۲۲/مارچ ۱۹۵۷ء کو قومی کیلنڈر تسلیم کیا گیا، حکومت کے کام کاج اسی کے مطابق ہوتے ہیں، قومی تیوہار: یوم آزادی پندرہ اگست، قومی تیوہار: یوم جمہوریہ چھبیس جنوری، قومی مجلس: پارلیمنٹ، آزاد ملک کی سب سے بڑی قانون ساز مجلس ہوتی ہے:

مسرور ہو کے رومی گاتا ہے گیت پیار
سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

اصلاحیات

احادیث طیبہ میں دنیا اور آخرت کا بیان

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من احب دنیا اضر بآخرته ومن احب آخرته اضر بدنیاه فاثروا ما یبقی علی ما یفنی"۔ (رواہ احمد، مشکوۃ شریف)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ (صورت کے اعتبار سے) دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے بس (جب یہ ضابطہ ہے تو) جو چیز ہمیشہ رہنے والی ہے (یعنی آخرت) اس کو ترجیح دو، اس چیز پر جو بہر حال فنا ہونیوالی ہے۔

غور فرمایئے! دنیا کی زندگی چاہئے کتنی ہی زیادہ ہو جائے بہر حال ختم ہونیوالی ہے اور اس کا مال ومتاع چاہے کتنا ہی زیادہ ہو جائے ایک دن چھوٹنے والا ہے، موت سے چھوٹ جائے چاہے ضائع ہونے سے چھوٹ جائے اور آخرت کی زندگی کبھی بھی ختم ہونیوالی نہیں ہے اس کی نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہیں، ایسی حالت میں کھلی ہوئی بات ہے کہ آدمی میں اگر ذرا سی بھی عقل ہو تو ایسی چیز کو اختیار کرنی چاہئے جو ہمیشہ اپنے پاس رہے گی، ایسی چیز کے پیچھے پڑنا جو کسی طرح بھی اپنے پاس ہمیشہ نہیں رہ سکتی بیوقوفی کی انتہا ہے، مگر ہم لوگوں کی عقل پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے، اس اسٹیشن کے ویٹنگ روم کی زیب وزینت پر دل لگائے بیٹھے ہیں اور قیام صرف اتنا ہے کہ جب ریل گاڑی آجائے اس پر سوار ہو جانا ہے، اتنے ذرا سے وقت میں اگر آدمی اپنے سفر کی تیاری میں مشغول رہے، اپنے سامان سفر کو تیار کرے جو چیزیں وطن میں پہنچ کر کام آنیوالی ہیں ان کو فراہم کرلے تو یقیناً اس کے لئے کار آمد ہیں وہ اپنا یہ قیمتی وقت اور تھوڑی سی فرصت وہاں کے سیر سپاٹے میں خرچ کردے، اپنا سامان بکھرا پڑا رہے اور خود ویٹنگ روم کی صفائی اور اس کے فرنیچر کو قرینہ سے رکھنے میں لگ جائے یا اس سے بڑھ کر حماقت یہ کرے کہ اس میں لٹکانے کے واسطے آئینے اور نقشے خریدنے میں لگ جائے تو اپنا سامان بھی کھوئے گا اور اپنی متاع بھی ضائع کرے گا، اسی حدیث پاک میں دنیا سے محبت نہ کرنے پر تنبیہ ہے کہ محبت ایسی سخت چیز ہے کہ جس کے ہاتھ بھی لگ جائے رفتہ رفتہ آدمی کو اسی کا بنا دیتی ہے، اسی لئے آخرت کے ساتھ محبت پیدا کرنے کی ترغیب فرمائی ہے، اور دنیا سے ترک محبت پر تنبیہ ہے کہ دنیا سے محبت رکھنے والا اگر چہ آخرت کے اعمال اس وقت کرتا ہو لیکن اس ناپاک دنیا کی محبت رنگ لائے بغیر نہ رہے گی اور آہستہ آہستہ آخرت کے کاموں میں تساہل، حرج اور نقصان پیدا کردے گی، بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا کو محبوب رکھتا ہے سارے پیر ومرشد مل کر بھی اس کو ہدایت نہیں کرسکتے، اور جو شخص دنیا کو ترک کردیتا ہے اس سے نفرت کرتا ہے، اس کو سارے مفسد مل کر بھی گمراہ نہیں کرسکتے۔ (مظاہر حق)

حضرت براء رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں اپنی شہوتوں کو پورا کرتا ہے وہ آخرت میں اپنی خواہشات کو پورا کرنے سے محروم رہے گا، اور جو شخص دنیا میں ناز پرودہ رئیس لوگوں کی زیب وزینت کی طرف للچائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا ہے وہ آسمانوں کی بادشاہت میں ذلیل سمجھا جاتا ہے اور جو شخص کم سے کم روزی پر صبر وتحمل کرتا ہے وہ جنت میں فردوس اعلی میں ٹھکانا پکڑتا ہے۔ (درمنثور)

حضرت لقمان حکیم کی نصیحتیں:

حضرت لقمان مشہور حکیم ہیں جن کے نصائح کا قرآن پاک میں بھی ذکر ہے، یہ ایک حبشی غلام سیاہ فام تھے، اللہ تعالی نے نوازا کہ حکیم لقمان بن گئے، بعض روایات میں ہے کہ حق تعالی شانہ نے ان کو اختیار دیا تھا کہ حکمت اور بادشاہت میں سے جس کو چاہیں پسند کرلیں، توانہوں نے حکمت کو پسند فرمایا، ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالی شانہ نے ان سے ارشادفرمایا کہ تم اس کو پسند کرتے ہو کہ تم کو بادشاہ بنادیا جائے اور تم حق کی موافق حکومت کرو، انہوں نے عرض کیا کہ اگر میرے رب کی طرف سے یہ حکم ہے تو مجھے عذر نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں اللہ تعالی شانہ کی طرف سے میری اعانت ہوگی اور اگر مجھے اس کا اختیار ہے کہ میں قبول کروں یا نہ کروں تو معافی کا خواہستگار رہوں، میں اپنے ذمہ مصیبت رکھنا نہیں چاہتا، فرشتوں نے پوچھا کہ لقمان یہ کیا بات ہے، انہوں نے جواب دیا کہ حاکم بڑی سخت جگہ میں ہوتا ہے، ناگوار چیزیں اور حکم ہرطرف سے اسکو گھیر لیتا ہے، اس میں اس کی مدد ہوسکے یا نہ ہوسکے، اگر حق کے موافق فیصلہ کرے تب تو نجات ہوسکتی ہے، ورنہ جنت کے راستے سے بھٹک جائے گا اور کوئی شخص دنیا میں ذلیل بنکر دن گزاردے یہ اس سے بہتر ہے کہ دنیا کی شریفانہ زندگی گزار کر (آخرت کے اعتبار سے) ضائع ہوجائے اور جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے دنیا اس سے چھوٹ جاتی ہے اور آخرت کے کام کا رہتا نہیں، فرشتوں کو اس کے جواب سے بڑی حیرت ہوئی، اس کے بعد وہ سو گئے، تو حق تعالی شانہ نے ان پر حکمت کو ڈھانک دیا۔ (درمنثور)

ان سے جو حکمتیں اور اپنے صاحبزادے کو نصیحتیں نقل کی گئی بڑی عجیب ہیں وہ بہت کثرت سے روایات میں آتی ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ بیٹا علماء کی مجلس میں کثرت سے بیٹھا کرو اور حکماء کی بات اہتمام سے سنا کرو، اللہ تعالی شانہ حکمت کے نور سے مردہ دل کو ایسا زندہ فرماتے ہیں جیسا کہ مردہ زمین زوردار بارش سے زندہ ہوتی ہے۔

ایک شخص ان کے پاس کو گزرا، ان کے پاس اس وقت مجمع بیٹھا ہوا تھا، وہ کہنے لگا کیا تو فلاں قوم کا غلام نہیں ہے انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں ان کا غلام تھا، اس نے پوچھا کیا تو وہی نہیں ہے جو فلاں پہاڑ کے قریب بکریاں چرایا کرتا تھا، انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں وہی شخص ہوں، اس نے پوچھا کہ پھر تو اس مرتبہ تک کیسے پہنچ گیا، انہوں نے فرمایا چند چیزوں کی پابندی اوراہتمام کرنے سے، چند چیزیں یہ ہیں اللہ تعالی شانہ کا خوف اور بات میں سچائی اور امانت کا پورا پورا ادا کرنا اور بے کار گفتگو سے احتراز، ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا اللہ تعالی شانہ سے اسی طرح امید رکھو کہ اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہوجاؤ اور اسی طرح اس کے عذاب سے خوف کرو کہ اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو صاحبزادہ نے عرض کیا کہ دل تو ایک ہی ہے اس میں خوف اور امید دونوں کس طرح جمع ہوں، انہوں نے فرمایا کہ مومن ایسا ہوتا ہے کہ اس کیلئے دو دل ہوتے ہیں، ایک میں پوری امید اور ایک میں پورا خوف، ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بیٹا ''رب اغفرلی'' بہت کثرت سے پڑھا کرو، اللہ تعالی شانہ کے الطاف میں بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں جو کچھ آدمی مانگتا ہے وہ مل جاتا ہے، ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا نیک عمل اللہ تعالی شانہ کے یقین بغیر نہیں ہوسکتا جس کا یقین ضعیف ہوگا اس کا عمل بھی سست ہوگا، بیٹا جب شیطان تجھے کسی شک میں مبتلا کرے تو اس کو یقین کے ساتھ مغلوب کر اور جب وہ تجھے عمل میں سستی کرنیکی طرف لے جائے تو قبر اور قیامت کی یاد سے اس پر غلبہ حاصل کر اور جب دنیا میں رغبت یا (یہاں کی تکلیف کے) خوف کے راستہ سے وہ تیرے پاس آئے تو اس سے کہہ دے کہ دنیا ہر حال میں چھوٹنے والی چیز ہے نہ یہاں کی راحت کو دوام ہے نہ یہاں کی تکلیف ہمیشہ رہنے والی ہے، ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا جو شخص جھوٹ بولتا ہے اس کے منہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور جس شخص کی عادتیں خراب ہوں گی اس پر غم سوار ہوگا اور پہاڑ کی چٹانوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا احمقوں کے سمجھانے سے زیادہ آسان ہے، ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا جھوٹ سے

اپنے کو بہت محفوظ رکھ جھوٹ بولنا چڑیا (پرند) کے گوشت کی طرح لذیذ تو معلوم ہوتا ہے، لیکن بہت جلد جھوٹ بولنے والے شخص کے ساتھ دشمنی کا ذریعہ بن جاتا ہے، بیٹا جنازہ میں اہتمام سے شرکت کیا کرو اور تقریبات میں شرکت سے گریز کیا کرو، اس لئے کہ جنازہ آخرت کی یاد کو تازہ کرتا ہے، اور شادیاں، تقریبات دنیا کی طرف مشغول کرتی ہیں، بیٹا جب پیٹ بھرا ہوا ہو اس وقت نہ کھاؤ، پیٹ بھرے میں کھانے سے کتے کو ڈالدینا بہتر ہے، بیٹا نہ تو تم اتنا میٹھا بنو کہ لوگ تمہیں نگل جائیں، نہ اتنا کڑوا بنو کہ لوگ تھوک دیں، بیٹا تم مرغے سے زیادہ عاجز نہ بنو کہ وہ تو سحر کے وقت جاگ کر چلانا شروع کر دے اور تم اپنے بستر پر پڑے سوتے رہو، بیٹا توبہ میں دیر نہ کرو کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، وہ دفعتہً آجاتی ہے، بیٹا جاہل سے دوستی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ اس کی جہالت کی باتیں تمہیں اچھی معلوم ہونے لگیں اور حکیم سے دشمنی مول نہ لو، ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے اعراض کرنے لگے اور پھر اس کی حکمتوں سے تم محروم ہو جاؤ، بیٹا اپنا کھانا متقی لوگوں کے سوا کسی کو نہ کھلاؤ اور اپنے کاموں میں علماء سے مشورہ لیا کرو، کسی نے ان سے پوچھا کہ بدترین شخص کون ہے، انہوں نے فرمایا کہ جو اس کی پرواہ نہ کرتا ہو کہ کوئی شخص اس کی برائی کرتے ہوئے دیکھ لے، ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا نیک لوگوں کے پاس اپنی نشست کثرت سے رکھا کرو کہ ان کے پاس بیٹھنے سے نیکی حاصل کرسکو گے اور اگر ان پر کسی وقت اللہ کی رحمت خاصہ نازل ہوئی تو اس میں سے تم کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور ملے گی، اور اپنے آپ کو برے لوگوں کی صحبت سے دور رکھو کہ ان کے پاس بیٹھنے سے کسی خیر کی امید نہیں اور ان پر کسی وقت عذاب ہوا تو اس کا اثر تم تک پہنچ جائے گا، ان کا ارشاد ہے کہ باپ کی مار اولاد کے لئے ایسی مفید ہے جیسا کہ پانی کھیتی کیلئے۔

ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا تم جس دن سے دنیا میں آئے ہو ہر دن آخرت کے قریب ہوتے جارہے ہو اور دنیا سے ہر دن پشت پھیرتے جارہے ہو، پس وہ گھر جس کی طرف تم روزانہ چل رہے ہو وہ بہت قریب ہے، اس گھر سے جس سے ہر دن دور ہوتے جارہے ہو، بیٹا قرض سے اپنے کو محفوظ رکھو کہ یہ دن کی ذلت اور رات کا غم ہے (یعنی قرض خواہ کے تقاضے سے دن میں ذلت اٹھانا پڑتی ہے اور رات بھر قرض کے فکر میں گزرتی ہے)۔

فقیہ ابواللیث نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت لقمان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اپنے صاحبزداہ سے فرمایا کہ بیٹا میں نے تم کو اس مدت زندگی میں بہت سی نصیحتیں کیں، اس وقت (آخری وقت ہے) چھ نصیحتیں تم کو کرتا ہوں:

(۱) دنیا میں اپنے آپ کو صرف اتنا ہی مشغول رکھنا جتنی زندگی باقی ہے، اور وہ آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

(۲) حق تعالیٰ شانہ کی طرف جتنی تمہیں ضرورت ہے اتنی ہی اس کی عبادت کرنا (ظاہر ہے کہ آدمی ہر چیز میں اس کا محتاج ہے)۔

(۳) آخرت کے لئے اس مقدار کے موافق تیاری کرنا جتنی مقدار وہاں قیام کا ارادہ ہو (ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد تو وہاں کے علاوہ کوئی مقام ہی نہیں)۔

(۴) جب تک تمہیں جہنم سے خلاصی کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک اس سے خلاصی کی کوشش کرتے رہنا (ظاہر ہے کہ جب کوئی سنگین مقدمہ میں ماخوذ ہو تو جب تک اس کو مقدمہ کے خارج ہو جانے کا یقین نہ ہو ہر وقت کوشش میں لگا رہتا ہے)۔

(۵) گناہوں پر اتنی جرأت کرنا جتنا جہنم کی آگ میں جلنے کا حوصلہ اور ہمت ہو (کہ گناہوں کی سزا ضابطہ کی چیز ہے اور مراحم خسروانہ کی خبر نہیں)۔

(۶) جب کوئی گناہ کرنا چاہو ایسی جگہ تلاش کر لینا جہاں حق تعالیٰ شانہ اور اسکے فرشتے نہ دیکھیں (ظاہر ہے کہ خود حاکم کے سامنے سی آئی ڈی کے عملہ کے سامنے بغاوت کا انجام معلوم ہے)۔ (تنبیہ الغافلین)

نبی اکرم ﷺ کے نزدیک دنیا کی حقیقت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ دنیا اس شخص کا گھر

ہے جس کا آخرت میں گھر نہیں اور دنیا اس شخص کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہیں اور دنیا کے لئے وہ شخص مال جمع کرتا ہے جس کو بالکل عقل نہیں۔(درمنثور)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا خود ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب ملعون ہے، بجز اس کے جو حق تعالی شانہ کے لئے ہو۔(جامع الصغیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں دنیا کی حقیقت دکھاؤں میں نے عرض کیا ضرور، ارشاد فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ساتھ لیکر مدینہ منورہ سے باہر ایک کوڑی پر تشریف لے گئے جہاں آدمیوں کی کھوپڑیاں، پاخانے اور پھٹے ہوئے چیتھڑے اور ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ یہ آدمیوں کی کھوپڑیاں ہیں، یہ دماغ اسی طرح دنیا کی حرص کرتے تھے، جس طرح تم سب زندہ آجکل کررہے ہو یہ بھی اسی طرح امیدیں باندھا کرتے تھے، جس طرح تم لوگ امیدیں لگائے ہوئے ہو آج یہ بغیر کھال کے پڑی ہوئی ہیں، اور چند روز اور گزر جانے کے بعد مٹی ہوجائیں گی، یہ پاخانے وہ رنگ برنگ کے کھانے ہیں جن کو بڑی محنت سے کمایا اور حاصل کیا پھر ان کو تیار کیا اور کھایا، اب یہ اس حال میں پڑے ہیں کہ لوگ اس سے نفرت کرکے بھاگتے ہیں (وہ لذیذ کھانا جس کی خوشبو دور سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی آج اس کا منتہیٰ یہ ہے کہ اس کی بدبو سے لوگوں کو اپنے سے متنفر کرتی ہے) یہ چیتھڑے وہ زینت کا لباس تھا جس کو پہن کر آدمی اکڑتا تھا آج یہ اس حال میں ہے کہ ہوائیں اس کو ادھر سے ادھر پھینکتی ہیں، یہ ہڈیاں ان جانوروں کی ہیں جن پر لوگ سواریاں کیا کرتے تھے، گھوڑوں پر بیٹھ کر مٹکتے تھے اور دنیا میں گھومتے تھے، پس جسے ان احوال پر اور ان کی عبرتناک انجام پر رونا ہو وہ ان کو دیکھ کر روئے، حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ہم سب بہت روئے، حضرت عیسی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ دنیا کو اپنا سردار نہ بناؤ وہ تمہیں اپنا غلام بنائے گی، اپنا خزانہ ایسی پاک ذات کے پاس محفوظ کردو جہاں ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے، دنیا کے خزانوں میں اضاعت کا اندیشہ ہر وقت ہے، اللہ تعالی کے خزانے پر کوئی آفت نہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دنیا کی خباثت کے آثار میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں اللہ تعالی کی نافرمانی کی جاتی ہے، اور اسکی خباثت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ آخرت اس کو چھوڑے بغیر نہیں ملتی یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے، اور تھوڑی دیر کی خواہش بہت طویل زمانہ کے رنج وعذاب کا ذریعہ بن جاتی ہے ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ دنیا بعضوں کی طالب ہوتی ہے اور بعضوں کی مطلوب ہوتی ہے، جو آخرت کے طالب ہیں ان کی تو یہ خود طالب ہوتی ہے کہ جھک مار کر ان کی روزی ان کو پہنچاتی ہے اور جو اس کی طلب میں لگ جاتے ہیں آخرت ان کو خود طلب نہیں کرتی حتی کہ موت آکر ان کی گردن دبالیتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ:

حضرت سلیمان علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام ایک مرتبہ اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے، پرندے ان پر سایہ کئے ہوئے تھے، اور جن وانس دائیں بائیں تھے، ایک عابد پر گزرے اس نے عرض کیا کہ اللہ تعالی نے بہت بڑی سلطنت آپ کو عطا فرمارکھی ہے (کہ جن وانس چرند پرند سب پر آپ کی حکومت ہے) حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمان کے اعمال نامہ میں ایک مرتبہ سبحان اللہ سلیمان کے سارے ملک سے زیادہ افضل ہے، اس لئے کہ یہ ساری سلطنت بہت جلد ختم ہوجائیگی اور سبحان اللہ کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض لوگ قیامت کے دن اتنے زیادہ اعمال لیکر آئیں گے جیسا کہ ملک عرب کے پہاڑ لیکن وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، کسی نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا یہ

لوگ نمازی ہوں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازی بھی ہوں گے، روزہ دار بھی ہوں گے بلکہ تہجد گزار ہوں گے، لیکن جب دنیا کی کوئی چیز (دولت عزت وغیرہ) ان کے سامنے آجائے تو ایک دم اس پر کود پڑتے ہیں، جائز ناجائز کی پرواہ نہیں کرتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا سے بچتے رہو یہ ہاروت ماروت سے بھی زیادہ جادو کرنیوالی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ جل شانہ اس کے (دل کے) اندھے پن کو دور کردے، اور اس کی (عبرت کی) آنکھیں کھولدے جو یہ چاہتا ہو وہ غور سے سن لے کہ جو شخص دنیا میں جتنی رغبت کرتا ہے اور جیسی لمبی لمبی امیدیں باندھتا ہے اس کی بقدر حق تعالی شانہ اس کے دل کو اندھا کردیتے ہیں اور جو شخص دنیا سے بے رغبتی کرتا ہے اپنی آرزوؤں کو مختصر کرتا ہے حق تعالی شانہ اس کو بغیر سیکھے علم عطا فرماتے ہیں اور بغیر کسی کے دکھائے راستہ بتاتے ہیں عنقریب ایسے لوگ آنیوالے ہیں جن کے لئے سلطنت قتل اور جبر سے قائم ہوگی، بخل اور فخر سے ان کو غنا حاصل ہوگا، خواہشات کے اتباع سے لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ہوگی تم میں سے جو شخص ایسے زمانہ کو پائے اور اس وقت فقر پر صبر کرے حالانکہ وہ غنی ہوسکتا ہے وہ لوگوں کی دشمنی کو برداشت کرے حالانکہ وہ ان کی خواہشات کے تابع ہوکر ان کے دلوں میں محبت پیدا کرسکتا ہے وہ ذلت پر قناعت کرے، حالانکہ وہ لوگوں کی موافقت کر کے عزت پاسکتا ہے؛ لیکن وہ شخص ان چیزوں کو صرف اللہ جل شانہ کیلئے برداشت کرتا ہے، تو اس کو پچاس صدیقین کا ثواب ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا کی یا اللہ! جو مجھ پر ایمان لائے اور ان احکامات کو سچا جانے جو میں لایا ہوں تو اس کو مال کم عطا کر، اولاد کم عطا کر، اور اپنی ملاقات کا شوق اس کو زیادہ دے اور اس کی عمر بھی زیادہ کر، بہر حال معاصی کی کثرت کے ساتھ نعمتوں کا ہونا زیادہ خطرناک ہے اور ایسے وقت میں بہت زیادہ توبہ استغفار اور حق تعالی شانہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ کسی فاجر شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر رشک نہ کرو، تمہیں خبر نہیں کہ مرنے کے بعد وہ کس مصیبت میں گرفتار ہونیوالا ہے، اس لئے کہ فاجر شخص کے لئے اللہ کے یہاں ایسی ہلاکت ہے یعنی جہنم جو کبھی ختم ہونیوالی نہیں ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جب آدمی کسی ایسے شخص کی طرف دیکھے جو مال میں یا صورت میں اپنے سے اعلی ہو تو ایسے شخص کی طرف بھی غور کرلے جو ان چیزوں میں اپنے سے کم ہو، یعنی آدمی جب کسی لکھ پتی کو دیکھے اور اس کو دیکھ کر للچائے اور افسوس کرے کہ یہ تو ایسا مالدار ہے میں نہیں ہوں، تو کسی ایسے آدمی کو بھی غور کرلے جس کو ناداری کی وجہ سے فاقے کرنے پڑ رہے ہوں۔

وفیات

❁ ممبر پارلیمنٹ اور دارالعلوم دیوبند کے رکن شوری حضرت مولانا اسرارالحق صاحب قاسمی کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

❁ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معتمد تعلیم حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

❁ مسلم فنڈ کے منیجر اور سابق چیرمین جناب حسیب صدیقی صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

❁ تامل ناڈو کے ممتاز عالم دین اور دارالعلوم دیوبند کے رکن شوری حضرت مولانا یعقوب صاحب قاسمی کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

❁ مشرقی یوپی کی مشہور شخصیت حضرت مولانا صادق علی بستوی صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

❁ وسئی پھاٹا ممبئی کے منیر بھائی (جوری والے) کے والد گرامی الحاج سعید احمد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے تمام قارئین سے درخواست ہے کہ مذکورہ مرحومین کے علاوہ تمام امت اسلامیہ کے مرحومین کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کریں۔